2161
ACC No. 18093 Date 20/3/11
Section
Status
D.D. Class
NAJAFI BOOK LIBRARY

صدائے حق

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Masoomeen Welfare Trust (R)
Shop No. 11, M.L. Heights,
Mirza Kaleej Baig Road,
Soldier Bazar, Karachi-74400, Pakistan.

سیّد صدا حسینؔ جلالی قلندری

ACC No. 18093 Date 20/3/17
Section
Status
D.D. Class
NAJAFI BOOK LIBRARY

صدائے حق

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Masoomeen Welfare Trust (R)
Shop No. 11, ... Heights,
Mirza Kaleej Baig Road,
Soldier Bazar, Karachi-74400, Pakistan.

سید صدا حسین جلالی قلندری

صدائے حق

تصنیف : باباسیّد صدا حسین جلالی قلندری

کتابت : سیّد تصویر حسین نقوی (لعل حسن)

ناشر : ایس۔اے رضوی ۱۵۔ایف بلاک ۲
پی ای سی ایچ ایس کراچی۔
فون نمبر ۴۳۱۷۶۷

مطبوعہ : سندھ آفسٹ پرنٹرز۔ کراچی

تعداد : دو ہزار

جملہ حقوق محفوظ : بحق "ادارۂ حزب الطالبین"

ملنے کا پتہ : (۱) صدر دفتر حزب الطالبین
امام بارگاہ بارہ امام۔
ڈاکخانہ رستم سائیکل فیکٹری۔
شیخوپورہ روڈ۔ شاہدرہ۔ لاہور۔

(۲) ۲-۱۵ الف۔ بلاک ۲
پی۔ ای۔ سی۔ ایچ۔ ایس
کراچی۔ پاکستان

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Masoomeen Welf... Trust (R)
Shop No. 11, M.L. Heights
Mirza Kaleej Baig Road,
Soldier Bazar, Karachi-74400, Pakistan.

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	حصۂ نثر	
۱	گزارش	۵
۲	یا علیؑ مظہرِ جلی	۸
۳	الصّراط المستقیم	۱۵
۴	ندائے حق	۲۰
۵	منشائے حق	۳۰
۶	یا باب الحوائج	۳۷
۷	استغاثہ	۴۳
۸	توضیح محکمات فی ردِّ متشابہات	۴۷
	حصّہ نظم	
۱	ہم علیؑ کو خدا نہیں کہتے	۸۳
۲	سجدہ	۸۸
۳	جنابِ سیّدہؑ کا فیصلہ	۹۱
۴	علّتِ غائی	۹۶
۵	محسنِ توحید	۹۷
۶	نہیں ہوتی گنہگاروں پہ رحمت، ہو بھی سکتی ہے	۹۸
۷	رباعیات	۱۰۰
۸	دُعا برائے مومنین	۱۰۳

تعارف

زیرِ نظر کتاب "صدائے حق"، بابا سیّد صداحسین صاحب جلالی قلندریؒ کے وقتاً فوقتاً شائع ہونے والے مضامین و منظومات کا مجموعہ ہے جنھیں اس غرض سے یکجا کر دیا گیا ہے کہ محفوظ ہو جائیں نیز قارئین کو مطالعہ میں سہولت ہو۔

ادارۂ حزب الطالبین

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No 11, M.L. Heights Mirza Kaleej Baig Road, Soldier Bazar Karachi.
MASOOMEEN WELFARE

گزارش

میرے محترم بزرگو و عزیزو و جملہ سادات و موالیان حیدرِ کرّار و مومنینِ عظام سلام علیکم و تحفہ یا علیؑ مدد۔ آپ کا مولا محافظ ناصر، وارث و وسیلہ۔

مودبانہ گزارش ہے کہ قلندرِ سرکار پر عزاداری کا دن آگیا ہے جس کے لیے معروضات پیشِ خدمت ہیں۔

دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ ہمیشہ آپ سے تعصب سے پیش آتے رہے ہیں۔ اب بھی ہوسکتا ہے ایسا ہی ہو اس لیے بندہ معذرت خواہ ہے کہ آپ کے ہمیشہ چند اصول رہے ہیں۔ یاد رکھو ہم اس وارث سے تعلق رکھتے ہیں جس کا نصب العین صرف اور صرف حق کا تحفظ ہے۔ ہم اُس قوم کی جرأت و ہمت سے سرشار ہیں جس کی شہ رگ کے لہو کا پہلا قطرہ تلوار کی نوک پر شبنم کے قطرے کی طرح کھلتا ہے۔ ہم اس سالارِ کارواں کے عزادار ہیں جس کا نام حسینؑ ابنِ علیؑ ہے اور حسینؑ ابنِ علیؑ توحید و نبوت کے مشترکہ آئین اور مشن اور متفقہ دستورِ حیات کا عنوان ہے۔ ہم امن اور دائمی امن کا پیغام لے کر بطحا کی چوٹیوں سے اُترے تھے اور غروب آفتاب کی آخری منزل تک ہمارا سفر جاری رہے گا۔ یاد رکھو ہم ببانگِ دہل اعلان کرتے ہیں کہ ہمارا دستور حسینؑ ابنِ علیؑ نے لکھا، ہمارا منشور اُم المصائب نے ترتیب دیا ہمیں مٹانے والے خود مٹ گئے مگر ہم زندہ تھے، زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ہم سیم و زر کے دیوتاؤں کے عتاب سے قطعاً خائف نہیں کیونکہ مظلوم کے نعرہ کی گونج سیم و زر کے محلات کو پاش پاش

کرنے کے لیے کافی ہے یہ نعرۂ حق ہم نے ایک ایسے مردِ باوفا سے سیکھا ہے جس کا نامِ نامی ابوذرؓ ہے جس قوم کے عزم کی بنیادوں میں علی اکبرؑ کا تابناک لہو صرف ہوا ہو اسے مٹانے کا خواب دیکھنا دماغ کے خلل سے زیادہ کیا حیثیت رکھتا ہے۔ جو لوگ اس دور میں یزیدی کہلانے کی جرأت نہیں رکھتے وہ حسینؑ کے سربکف دیوانوں سے ٹکرانے کی جرأت کہاں سے لائیں گے۔ تاریخ نے تمہاری تنظیم، تمہارے عزم، تمہاری جدوجہد اور تمہارے کردار کی عظمت کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اغیار کی آنکھیں بغض و حسد کے جھروکوں سے تمہاری صف بندی پر لگی ہوئی ہیں اس لیے اپنے میمنہ و میسرہ پر کڑی نظر رکھو اور یاد رکھو کہ ہم میں ابنِ کثیر کم ہیں اور قاضی شرح زیادہ اس لیے روایتی صبر و تحمل کا انداز برقرار رکھو۔ اپنے اتحاد کو فولادی عزم سے استوار کرتے چلو۔ یوں سمجھو جیسے تم مدینہ سے چل پڑے ہو، ہو سکتا ہے تمہیں احرام کھولنا پڑے مگر یاد رکھو سینوں میں مظلوم مولاؑ کی عزاداری کی دبی ہوئی چنگاریوں کو بجھنے نہ دو۔ انتظار کرو اور اس وقت تک انتظار کرو جب تک آخری حجت تمام نہیں ہو جاتی۔ حسینؑ ابنِ علیؑ تمہارا حامی و ناصر ہے وقت ایک بار پھر تمہاری عظمت کو سجدہ کرے گا۔ لہٰذا امامؑ زمانہ سے تجدیدِ عہد کرنا تمہارے لیے واجب ہے، موت برحق ہے تو پھر حق کی راہ میں کیوں نہ آئے اور حق کی راہ وہی ہے جس پر حسینؑ ابنِ علیؑ کے قدموں کے نشان واضح طور پر موجود ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جو شخص فطری طور پر بزدل ہو وہ قافلۂ حسینی میں شامل نہیں ہو سکتا۔ محبتِ حسینؑ کا دعویٰ ذرا سوچ کر کرنا کیونکہ اس کی قیمت زندگی بیچ کر ادا کرنا پڑتی ہے میری یہ دعا ہے کہ مولاؑ اس قوم کے بزرگوں کو عزمِ حبیبؓ، جوانوں کو جذبۂ علی اکبرؑ کمسنوں کو تربیتِ عونؑ و محمدؑ اور بچوں کو ضبطِ علی اصغرؑ عطا فرما تاکہ بنو امیہ کے حاشیہ بردار اس قوم پر طنز کرنے کی جرأت

نہ کرسکیں۔ جو بھی اس راہ میں حائل ہونے والے ہیں وہ اپنے اسلاف کے انجام سے یقیناً ناواقف ہیں ورنہ وہ فرزندِ رسولؐ کی عزاداری کی عظمت کی سنہری تاریخ کے اُجلے حروف کو سلامی دینے میں گزار دیتے۔

والسّلام

سیّد صدا حسین جلالی

بارگاہ بارہ امام۔ لاہور

[redacted]

یا علیؑ مظہر جلی

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ
وَخَلِیْفَتُہٗ بِلَا فَصْلٍ

تعارف

صاحبانِ عقل و بصیرت اور حاملانِ علم و ایمان پر یہ حقیقت واضح ہے کہ اوّل دین معرفت خدائے تعالیٰ ہے اور اس کے بعد معرفت رسولؐ اللہ اور بعد خاتم النبیینؐ سلسلہ امامت قیامت تک قائم اور ہر دور حیات میں معرفتِ امامِ وقت واجب اور فرضِ عین۔ کیونکہ قیام و بقائے دین اس سے وابستہ ہے اور اس پر بندے کا حشر و نشر موقوف ہے۔ قال سُبحانہٗ یوم ندعوا کل اناس بامامھم۔ ہر ایک شخص کو روزِ قیامت اُس کے امام اور پیشوائے دین کے ساتھ محشور کیا جائے گا اور جہاں وہ پیشوا جائے گا وہیں اس کے پیروکار جائیں گے وجاءت کل نفس معھا سائق وشھید اور ہر ایک نفس اس طرح بارگاہِ ربّ العزّت میں حاضر ہوگا کہ اس کے ساتھ اس کا ہنکانے والا اور اس کا گواہ ساتھ ہوگا۔ معرفت ذاتِ باری تعالیٰ من حیث ذات کسی کے لیے ممکن نہیں کیونکہ علم حقیقی یہ نہیں ہے جو کتابوں کے پڑھنے،

حاشیوں کے رٹنے اور علمائے کے مقالات اور کتب کے الفاظ حفظ کر لینے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ تو تقلید ہے۔ علم تو وہ ہے جو مومن کے قلب پر روز بروز ساعت بہ ساعت منجانب اللہ فیضان ہو۔ جس سے حقائق اشیاء۔ اور معارف حقہ اُس پر منکشف ہو جائیں اور نفس کو اطمینان کلی حاصل ہو جائے۔ سینہ کھل جائے اور آئینہ دل روشن ہو جائے۔ جس طرح نبوّت لازم توحید ہے اسی طرح امامت لازم نبوّت بلکہ غایت نبوّت ہے کیونکہ نبوّت جب ختم ہوگئی تو قیام ہدایت خلق اور تربیت نوع و بقائے عالم اسی سے وابستہ ہے۔ اگر اس کی معرفت حاصل نہ کی جائے تو غرض نبوّت مفقود۔ اس واسطے کہا جاتا ہے کہ امامت کا منکر دراصل منکر رسالت ختمی مرتبت ہے۔ اسی واسطے فرمایا ہے

من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیتہ میتۃ کفر و شرک و نفاق۔

جیسا کہ ارشاد رسالتمآب ہے کہ انا مدینۃ العلم وعلیٌّ بابہا۔ خدا کی طرف سے اس کے بندوں پر دو حجتیں ہیں۔ ایک حجت ظاہرہ، دوسری حجت باطنہ۔ حجت ظاہرہ انبیاء و رسل اور بعد رسولؐ آئمہ ہیں حجت باطنہ عقلیں ہیں۔ ماحصل یہ کہ اگر ہدایت بواسطہ عقل حاصل ہوتی ہے۔ تو یہ عین عقل ہیں اور اگر یہ روح یا قلب سے حاصل ہوتی ہے تو روح علم یا قلب عالم ہیں اور اگر بواسطہ قرآن حاصل ہو سکتی ہے تو یہ حامل قرآن اور ثانی ثقلین ہیں۔ علم انہی سے حاصل ہو سکتا ہے بلکہ قرآن ان کے ہی علم کا نام ہے پس جو اس راہ عقل پر چلے نجات پائے گا اور جو اس سے جُدا ہوگا ہلاک ہوگا۔ بلاشبہ یہ عقل یہی نفوس قدسیہ ہیں بلکہ عقل اوّل اور اصل وجود۔ پس جو ان سے تمسک کرے گا اور ان کی راہ پر چلے گا نجات پائے گا اور جو ان سے جُدا ہوگا ہلاک ہوگا۔ یہی محرم اسرار الٰہیہ ہیں۔

یہاں تفریق مراتب کا سوال ہی نہیں کیونکہ فرمان محمد مصطفیٰ مشعل راہ ہے کہ اَوَّلُنَا مُحَمَّدٌ وَاَوسطنا مُحَمَّدٌ وَآخرنا مُحَمَّدٌ وَکلّنا مُحَمَّدٌ ــــ جس کو ان کی معرفت حاصل ہو گئی مقام قرب پہ فائز ہو گیا اور جس نے ان کی نوع پہ تبصرہ کیا واصل جہنم ہوا۔ مندرجہ ذیل خطبہ رجعیہ سرکار امیر علیہ السلام علیٰ ابن ابی طالب صلوٰۃ اللہ علیہ کا خلاصہ و ترجمہ سلطان المتکلمین و سید المحققین علامہ سید محمد سبطین صاحب قبلہ سرسوی اعلیٰ اللہ مقامہ نے اس لئے واضح طور پہ لکھا کہ محبان محمد و آل محمد گمراہ کُن علماءِ سُوء کی روحانی بدعتوں، خود روی، اختراعوں اور دنیاوی آرائوں سے گمراہ نہ ہوں کیونکہ زمانہ حال میں منبع حرص و ہوس اکثر علماء لباس شیعیت میں ملبوس خودساختہ تاویلوں سے گمراہ کُن پروپیگنڈہ کر رہے ہیں اور دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم عالم ہیں علم سکھاتے ہیں حالانکہ باطن میں کچھ نسلی اثرات اور کچھ اپنے غلط خون کی وجہ سے آئمہ معصومین علیہم السلام کی نوع پہ مباحثے کرتے ہیں۔ پس یہ خطبہ جناب علی علیہ السلام نے اس لیے ارشاد فرمایا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آنے والے وقت میں شباہت علماء میں وہ لوگ آئیں گے جو ہمارے کہلائیں گے مگر ہماری توہین پہ آمادہ ہوں گے! ارشاد امیر المومنین و جملہ معصومین علیہم السلام ہے کہ ہم نورِ واحد ہیں اور اللہ کے مظہر ہیں لہٰذا عزادارانِ حسین علیہ السلام خصوصاً اور جملہ مومنین عموماً ایسے علماء سُوء کے شر سے اجتناب کریں۔ لعنت اللہِ علی الکاذبین ہ

خطبہ رجعیہ امیر المومنین علیہ السلام

"ان لی الکرۃ بعد الکرۃ والرجعۃ بعد الرجعۃ وانا صاحب الرجعات والکرات صاحب الصولات والنقمات

"بیشک میرے لئے دنیا میں بار بار آنا اور رجعت کرنا ہے۔ میں رجعتوں اور باریوں والا۔ حملوں والا او

والدولات العجيبات وانا قرن
من حديد - وانا عبدالله واخو
رسول الله وانا امين الله و
خازنه وغيبت سرّه وحجابه
ووجهه وصراطه وميزانه
وانا الحاشر الی الله - وانا
كلمة الله التی يجمع بها
المتفرق ويفترق بها المجتمع
وانا اسماء الله الحسنیٰ وامثاله
العليا واياته الكبرىٰ وانا صاحب
الجنة والنار - اسكن اهل الجنة
الجنة واهل النار النار - والی
تزويج اهل الجنة والی عذاب
اهل النار والی اياب الخلق جميعا
وانا المآب الذی يؤب اليه
كل شئ بعد القضاء - والی
حساب الخلق جميعا وانا
صاحب الحسنات وانا المؤذن
علی الاعراف وانا بارز الشمس
وانا دابة الارض وانا قسيم النار
وانا خازن الجنان وصاحب

منزلوں والا اور عجیب دولت اور دولتوں
والا ہوں۔ میں ہر ایک قلعہ کفر کو ڈھا دینے
والا آہنی سینگ ہوں۔ میں بندۂ خدا اور
برادرِ رسولؐ اللہ ہوں۔ میں خدا کا امین
اور اس کا خزینہ دار اس کے بھیدوں
کا صندوق یا بقچہ ہوں۔ میں حجاب اللہ
وجہ اللہ، صراط اللہ اور میزانِ حق و
باطل ہوں۔ میں ہی مخلوق کو خدا کی طرف
جمع کرنے والا ہوں میں ہی وہ کلمۃ اللہ
ہوں جس کے ذریعے ہر جدا چیز اکھٹی اور
ہر اکھٹی چیز جدا ہو جاتی ہے۔ اجزائے متفرقہ
مجھ سے ترکیب پاتے ہیں اور اجزائے مجتمع
مجھ سے تحلیل پاتے ہیں۔ مظہرِ اسم یا جامع
یا مفرق میں ہی ہوں۔ میں معنی اسماء اللہ
امثالِ علیا اور آیات کبریٰ ہوں اور
میں ہی جنّت و دوزخ کا مالک ہوں۔
اہلِ جنّت کو جنّت میں ساکن کروں گا
اور اہلِ نار کو نار میں داخل کروں گا اور میں
ہی اہلِ جنّت کی ترویج کروں گا میرے
ہی ذمّہ اہلِ نار کو عذاب کرنا ہے اور میری
ہی طرف ساری مخلوق کی بازگشت ہو گی

الاعراف وانا امیر المومنین و
یعسوب المتقین وآیۃ السابقین
ولسان الناطقین وخاتم الوصیین
ووارث النبیین وخلیفۃ رب العٰلمین
وصراط ربی المستقیم والقسطاسہ
والحجۃ علی اھل السمٰوٰت والارضین
وما فیھما وما بینھما وانا اللذی
احتج اللہ بہ علیکم فی ابتداء
خلقکم وانا الشاھد یوم الدین
وانا الذی علمت علم المنایا
والبلایا والقضایا وفصل الخطاب
والانساب واستحفظت آیات
النبیین المستخفین المستحفظین
وانا صاحب العصا والمیسم وانا الذی
سخرت لی السحاب والرعد والبرق
والظلم والانوار والریاح والجبال
والبحار والنجوم والشمس والقمر
وانا القرآن الحدید وانا فاروق الامۃ
وانا الھادی وانا الذی احصین
کل شیٔ عدداً بعلم اللہ الذی
اردعینہ وبسرہ الذی اسوہ

اور میرے ذمہ ساری مخلوقِ خدا کا حساب ہے
اور میری ہی طرف ہر ایک امر بعد فنا الٰہی
رجوع کرتا ہے۔ میں ہی جنتوں والا میں ہی
نیکیاں بخشنے والا ہوں اور میں اعراف
میں پکارنے والا ہوں۔ میں ہی ایام رجعت
میں آفتاب ظاہر ہونے والا اور میں ہی
دابۃ الارض ہوں۔ میں قاسم جنت و
نار اور خازنِ بہشت ہوں اور میں ہی
وہ صاحب اعراف ہوں جو سب کو ان کی
پیشانیوں سے پہچانتا ہوگا۔ (وعلی
الاعراف رجال یعرفونھم
بسیماھم) میں امیر المومنین
یعسوب المتقین آیۃ السابقین،
لسان الناطقین، خاتم الوصیین،
وارث النبیین اور خلیفہ رب العالمین
اور اس صراط مستقیم اور اس کی میزان
حق و باطل ہوں اور تمام زمین و آسمان
وما فیہا پر اس کی حجت مجھ سے اللہ
تعالیٰ نے ان کی خلقت کے وقت
احتجاج و اتمام حجت کیا اور میں ہی روز
قیامت ان کا شاہد ہوں (وجاءت

الی محمد و اسوہ النبی الی و انا الذی انحلنی بلی اسمہ کلمتہ وحکمتہ وعلمہ وفھمہ یا محشر الناس اسلونی قبل ان تفقدونی اللھم الی اشھدک و استعدیک علیھم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم والحمد للہ متبعین امرہٖ۔

کل نفس معھا سائق وشھید) اور میں علم بلایا، علم منایا، علم قضایا و فصل الخطاب اور علم النساب کو جانتا ہوں، اور میں حملہ انبیاء کی آیات اور نشانات کا محافظ ہوں اور میں ہی لاٹھی اور نشان والا ہوں (جو ایام رجعت میں قریب قیامت ہر کافر کی پیشانی پر نشان لگائے گا ھٰذا کافر حقا الی یوم القیمۃ

اور ہر مومن کی پیشانی پر نشان لگائے گا۔ ھذا مومن حقا میں ہوں جس کے لئے بادل گرج، بجلی، تاریکیاں، روشنیاں، ہوائیں، پہاڑ، سمندر، ستارے اور چاند سورج مسخر کر دیئے گئے ہیں کہ رئیس کارکنان قضا و قدر و ولی الامر ہوں میں قوت خدا کا آہنی سینگ ہوں اور میں فاروق امت ہوں۔ مجھ ہی سے حق و باطل میں تمیز و تفریق ہوتی ہے۔ میں ہی خلق خدا کو اس کی طرف ہنکانے اور چلانے والا ہوں اور میں ہی وہ ہوں جس نے ہر شے کو گن گن کر احصار کیا ہے وکل شیئ احصینہ فی امام مبین اس علم کے ذریعے جو اللہ نے مجھ کو ودیعت کیا ہے اور اس راز قدرت کے ذریعے جو اس نے محمدؐ کو پہنچایا اور محمدؐ نے مجھے پہنچایا اور میں ہی وہ ہوں جس کو خدا نے اپنا نام، اپنا کلمہ، اپنی حکمت، اپنا علم اور اپنی فہم عطا کی۔ معاشر الناس پوچھو مجھ سے قبل اس کے کہ مجھ کو نہ پاؤ۔ خداوندا میں تجھ کو ان پر گواہ بناتا ہوں اور تجھ ہی سے ان پر مدد چاہتا ہوں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم والحمد للہ متبعین امرہ۔ کوئی قوت و طاقت نہیں ہے مگر اس خدائے علی و عظیم کی طرف سے اور ہم اس کی حمد کرتے ہیں۔ اس کے حکم کا اتباع کرتے ہوئے۔

یہ وَلی مطلق مظہر العجائب والغرائب ہر دَور اور ہر زمانے میں ظہور فرماتا رہا ہے اور یہ مشکل کشائے خلق ہر دَور میں ہر صاحب غرض کی مشکل میں کام آتا رہا ہے اور ہر نبی کی امداد فرماتا رہا ہے اور ارشاد فرمایا ہے۔ نصرت الانبیاء سراً نصرت محمداً جہراً۔ میں نے تمام انبیاء کی پوشیدہ طور پر نصرت کی ہے۔ نوح کی کشتی کو بچایا ہے۔ ابراہیم کو سنبھالا، یوسف کو نکالا ہے اور ہر میدان میں محمدؐ کی کھلم کھلا اس ولی خدا نے نصرت کی۔ اور ایام ظہور حق اور عالم رجعت میں آپ سردار لشکر یمانی کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ عصاو نشان کے ساتھ دابۃ الارض کی صورت میں نمایاں ہونگے۔ کرۂ شمس پر ظہور فرمائیں گے اور صیحہ فرمائیں گے پھر نصرت فرزند کے لئے آئیں گے۔ پھر رجعت میں بیس ہزار سال حکومت فرمائیں گے اور اس لئے فرماتے ہیں کہ میں بار بار دُنیا میں آنے والا۔ رجعت کرنے والا اور عجیب دولتوں اور باریوں والا اور دشمنوں کو عذاب کرنے اور سزا دینے والا ہوں۔ تمام اعداء اور خصوص اہلِ شام کو زمانہ رجعت میں سخت سزا دینگے اور انتقام لیں گے جس کی تفصیل دیگر خطبات میں آتی ہے اور ابواب رجعت میں یہ تمام امور مفصل مذکور ہیں اور تمام عجائبات و معجزات اس مظہر العجائب کے مشہور و معروف اور مسلمات دین سے ہیں۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصّراط المستقیم

اک تُو ہی تو نہیں ہے گدائے درِ بتولؑ
اِس صف میں انبیاء بھی ہیں اکثر کھڑے ہُوئے

مُسلمانو! آلِ محمدؐ کے مزاج ان کی تخلیق کی طرح ازلی اور اَبدی ہیں۔ خدا کی پہچان اور ہدایت بھی یہی ہیں۔ میدانوں سے زندانوں تک یہ اسی کے تعارف میں مصروف رہے۔ وطن میں باعزت بسنے کو ہر ایک کا دِل چاہتا ہے مگر یہ عمرانی مزاج رکھنے والے صحرا کو بگولوں کی طرح بھٹکتے رہے۔ ظالم کو سوچنا پڑا کہ اب کون سا ظلم کروں۔ مظلوم ظُلم کی انتہا کا منتظر رہا اور ظلم کو مزاج بدلنا پڑا۔ خنجر کی دھاریں شہ رگ سے کٹ گئیں۔ جبر صبر سے مات کھا گیا۔ تشنہ لبوں کے لہجے سے دریاؤں کے پتّے پانی ہو گئے۔ رے کی جاگیر اپنی زرخیزی کھو بیٹھی قاتل انعام لینا بھول گئے۔ سجے ہوئے بازاروں کی رونق اُداس ہو گئی۔ تکبیر اور زنجیر کی آوازوں نے دربارِ ظالم پر سکوت طاری کر دیا۔ اوباش کی لڑکھڑاتی زبان سے ایک فقرہ نکلا "فاطمہؑ کی بیٹی کہاں ہے؟" سہمے سمٹے ہوئے قیدیوں میں سے عالمۂ غیر معلّمہ خدیجۃ الکبریٰؑ کے لہجے میں بولی۔ "اے یزیدِ لعین تُو نے اپنی نجس زبان سے فاطمہؑ کا نام لیا ہے۔ میری ماں کے نام کو زباں پر لانے کی تجھے جرأت کیسے ہُوئی۔" یہ کہہ کر بیٹی نے خطبہ وہاں سے شروع کیا جہاں پر ماں نے ختم کیا تھا۔ "سُن اے یزیدِ لعین زخموں نے میرے جسم کو نڈھال کر دیا ہے مگر مَیں فی القربیٰ کی آیت ہُوں۔ آیت بازار میں بھی ہو تو اپنی حیثیت برقرار رکھتی ہے۔ تو کہتا ہے، کاش میرے

آباؤ اجداد زندہ ہوتے۔ مَیں کہتی ہوں میرے آباؤ اجداد زندہ ہیں اور وہ تصدیق کرتے ہیں کہ ابوطالب زندہ ہے اور ہاشم اپنے ہی ایوان میں بول رہا ہے۔ کاش میرے باپ کی بہو میرے ساتھ نہ ہوتی۔ مگر میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ تم خاموش رہنا۔ دربار میں مَیں خود بولوں گی۔ اے یزیدِ لعین صفین و جمل نے میدان بدلا ہے سالار بدلا ہے۔ میرے خطبوں سے تیرے آباؤ اجداد کی ہڈیاں قبروں میں چیخ رہی ہیں۔ میرے باپ کی تلوار سے زیادہ میرے لبوں کی کاٹ ہے۔ ہماری مصلحت توحید ہی ہے۔ خاموش رہنا ہو تو حسینؑ اور سجادؑ جیسے بھی مہر بہ لب ہوتے ہیں۔ مگر سن! وقت آئے تو زہراؑ مزاج بیٹی بھی حمزہؑ و جعفرؑ بن کر بات کرتی ہے۔ اے یزیدِ لعین تیری خباثت میری عصمت سے شکست کھا چکی ہے۔ تیرے لرزاں ہاتھوں سے اُمیّہ کا عَلم گر چکا ہے۔ میرے سجادؑ کی آنکھوں کو دیکھ! مگر تُو تو میری فِقّہ سے بھی خوفزدہ ہے، سجّاد کو کیا دیکھے گا۔ تُو نے بیواؤں کے حوصلے دیکھے۔ ربابؑ بیمار ہے مگر حُرملہ اس سے سراسیمہ ہے۔ تیرے دربار میں اکبرؑ کا سَر اُٹھائے ہوئے بھی حسین لیلیٰ سے نظریں چرا رہا ہے۔ اے یزیدِ لعین تُو اُموی ہے تُو نے ہاشمیوں کے مزاج نہیں دیکھے۔ ہم خدا کی طرح کسی کا حق نہیں رکھتے۔ ہماری طینت کریمانہ ہے۔ ہم ایک حبشن کو بھی ماں کہہ دیتے ہیں۔ مگر تو کیا جانے کہ یہ رشتہ بھی ہوتا ہے۔ تُو اپنے تعارف سے خوفزدہ ہے۔ مگر سُن! میری ماں بتولؑ عذرا ہے۔ اسلام کے ساتھ میرے باپ کا بچپن گزرا ہے۔ جوانی میں بھی اسی کی خاطر سرخرو ہُوا۔ میرے باپ کا عمل قرآن ہے۔ ہماری خیرات پر قرآنی پہرے ہیں۔ وحی ہمارے ہونٹوں کی منتظر ہے۔ جبرئیلؑ کا تو ایک نام ہے۔ ہم وحدت پسند ہیں، وحدت مزاج ہیں اور وحدت پرست ہیں۔ ہماری زکوٰۃ پر توحید کی تصدیق ہے۔ ہم صدقہ پر پلنے والوں سے زکوٰۃ کے طالب نہیں ہیں۔ ہاں خمس ہمارا حق ہے۔ اسے ماں نے بھی مانگا تھا

میں بھی اپنا حق مانگنے آئی ہوں۔ یقیناً تجھے بھی گواہوں پر شک ہوگا مگر میرے ایک خطبہ سے تیرے ہاتھوں میں رعشہ آگیا ہے۔ اے یزید لعین تیرے اقتدار کے نصف النہار پر میری شام غریباں چھا گئی ہے۔ سقیفہ کے شعلے کربلا تک پہنچے مگر ہمارے ابراہیمی مزاج نے انہیں قیامت تک کیلئے ٹھنڈا کر دیا ہے۔ مگر تُو کیا جانے، تُو اُموی ہے۔ یاد رکھ، یہ فدک نہیں۔ یہ لُوٹا ہُوا مال تجھے لوٹانا پڑے گا۔ میرے خاندان کے لُٹتے ہوئے تبرکات تیرے گستاخ فوجیوں کے پاس ہیں۔ بات انگوٹھی کی نہیں۔ وہ تو ہم زکوٰۃ میں بھی دے دیتے ہیں۔ تیری لگائی ہوئی آگ کربلا میں ہی گرمی کھو بیٹھی۔ میرے خطبوں کی آگ کی تپش تیرے کرائے کے رذیل ذہنوں کو جلا رہی ہے۔ سب کفِ افسوس مل رہے ہیں مگر وقت بیت چکا ہے۔ ہم نے ایک رات توبہ کے لئے دی تھی۔ حُر رضؓ مقدر کا دھنی نکلا۔ آج دربار میں میری پیشی نہیں، تیرا یوم الحساب ہے۔ سُن، گلے ہمارے رسیوں سے تنگ ہیں اور سانس تیرے اُکھڑے ہُوئے ہیں۔ آج محمدؐ و علیؑ و حسنؑ کا زمانہ نہیں۔ اب صلح حدیبیہ اور صلح حسنؑ کے نام سے تیرے اور میرے خاندان کے درمیان کوئی نیا معاہدہ نہیں ہوگا۔"

لہٰذا اعادہ ارادتِ امام مظلومؑ! آج دن ہے کل محشر۔

زندگی ہر لمحہ بدلتے ہوئے جذبات کی مسلسل نظریاتی تکمیل کا نام ہے نظریاتی تکمیل کو انسانی لُغت میں انقلاب کہتے ہیں۔ اس لیے زندہ رہنا چاہتے ہو تو انقلابی بننا سیکھو اور یاد رکھو تم اُن وقت تک انقلابی نہیں کہلا سکتے جب تک حُسینیتؑ کو اپنا نصب العین نہ بنالو کیونکہ میرا حُسینؑ مکمل انقلاب ہے۔ آزادی انسان کا فطری حق ہے اور حسینؑ وہ واحد آقا ہے جس نے آزادی کو اس کا حقیقی مفہوم عطا کر کے اسلام کی پیشانی سے غلامی کا مکروہ داغ دھوڈالا اس لئے اسلام

کو سمجھنا ہے تو سب سے پہلے حسینؑ کو سمجھو کہ تم کو تمہارا فطری حق مل سکے۔ فتح کا نقارہ زندہ قوموں کی زندگی میں اضافہ کرتا ہے اس لیے اپنی زندگی بڑھانا چاہتے ہو تو ماتمِ حسینؑ کے حلقہ میں شریک ہونا اپنا شعار بنالو کہ ہم ماتم کی گونج کو فتح کا نقارہ سمجھتے ہیں۔ حسینؑ کے سوا کسی کو عظیم کہتے ہوئے زبانیں لڑکھڑا جاتی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ ضربت علیؑ پر ثقلین کی بندگی نثار ہو گئی مگر میرا خیال ہے کہ دربارِ یزید لعین میں سید سجادؑ کے خطبے کی دھمک پر ضربت علیؑ نے اس عظیم قیدی کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک حرف کا سو سو بار طواف کیا ہوگا جس نے یزیدیت کی بنیادیں کھوکھلی کر ڈالیں ؎

قرآن ناطق نیزہ پر تفسیر کا دل بھر آیا ہے

سجادؑ خدا معلوم تجھے اسلام کہاں لے آیا ہے؟

حسینؑ فنکارِ ازل کا وہ مکمل شاہکار ہے جس کی زخمی پیشانی سے پھوٹتی ہوئی شعاعوں نے پہلی بار آسمانی فرشتوں کی بینائی کو ماند کر کے سبحان ربی الاعلیٰ کے کہنے پر تصدیق ثبت کر کے آدم کو اپنی تخلیق پر فخر کرنے کی اجازت بخشی۔ اگر دنیا بھر کے دانشور مل کر ذہنوں کا زور صرف کر دیں تو بھی علی اصغرؑ کے آخری تبسم کا مفہوم نہیں سمجھ سکتے کیونکہ اس تبسم میں حسین علیہ السلام کے آخری خطبے کا مفہوم پوشیدہ تھا۔ محمدؐ کی تربیت علی کی غیرت، بتولؑ کی عصمت اور حسنؑ کی شرافت جب آسمان پر ہوں تو توحید کا آئینہ کہلاتی ہیں اور جب زمین پر نازل ہوں تو حسین علیہ السلام کا روپ دھار لیتی ہیں اس لیے اگر توحید کو اپنے قریب محسوس کرنا چاہتے ہو تو حسینیت کے قریب آنے کی کوشش کرو۔ تقدیر وہ واحد لفظ ہے جس کے سامنے انسان کی تمام قوتیں بے بس ہیں مگر حسینؑ وہ واحد آقا ہے جس کے سامنے تقدیر کو سجدہ تعظیمی کرنا پڑا۔ اس کی بین دلیل یہ ہے۔ اگر

حریت، سچائی، یقین اور نماز چاروں لفظوں کے پہلے حروف اکٹھے ہو جائیں تو صرف ایک نام بنتا ہے اور وہ ہے حسینؑ۔ کربلا کی چاندنی اور مدینے کا اندھیرا دونوں قابلِ تعظیم ہیں کہ ان دونوں نے خاندانِ زہراؑ کی غربت کا احترام کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے وہ آنسو ہیں جو شامِ غریباں کے اندھیرے میں اُم المصائب علیہا السلام کی آنکھوں سے پھوٹے مگر ذرات کی کم ظرفی دیکھ کر زمین میں جذب نہ ہوسکے بنتِ زہراؑ الیلۃ القدر کا مقدس اندھیرا تیری چادر کو سلام کرتا ہے کہ اس نے اسلام کی برہنگی کو دوسرے مذاہب کی طنز سے بچا لیا ہے۔ فرزندِ رسولؐ میرے گونگے قلم کو زبان عطا کر تاکہ میں تیرے اس خطبے کا ترجمہ کرسکوں جو تو نے نوکِ سناں پر دیا تھا۔ اے عزادارانِ مظلوم کربلا! اگر ہم صحیح معنوں میں عزادار ہیں تو مجھے بتاؤ کہ ہماری صفوں میں انتشار اور دلوں میں اضطراب کیوں ہے؟ ہماری مائیں ہمیں موت کا سبق دینا کیوں بھول گئیں؟ ہم ظلم اور ظالم سے آنکھ ملاتے ہوئے گھبراتے کیوں ہیں؟ ہماری اولاد اور ہم اپنے اجداد کا خوں بہا دینے سے کتراتے کیوں ہیں؟ یاد رکھو! اگر ہم وہ نہیں ہیں تو پھر عباس علیہ السلام کے پرچم کو چھونے کا ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا اور ایسی زندگی خودکشی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی اور خودکشی حرام ہے۔

اختر درِ بتولؑ سے سوداگری نہ کر
صلۂ غمِ حسینؑ میں جنت نہ کر قبول

ندائے حق

ارباب دانش وصاحب ذوق حضرات کے لیے یہ حقیقت کسی دلیل وبرہان کی محتاج نہیں ہے کہ انسان اس وقت تک کوئی مالی وجانی قربانی پیش نہیں کرتا جب تک اُسے اپنے مقصد ونصب العین کی صداقت وحقانیت کا یقین کامل نہ ہو۔ مقصد جتنا اعلیٰ وارفع ہوتا ہے۔ اس کے حصول کے لیے قربانی بھی اتنی ہی عظیم دینی پڑتی ہے نیز دین ومذہب کے بانیوں کا اس کی بقا وتحفظ کے لیے خندہ پیشانی کے ساتھ ہر مصیبت کا برداشت کرنا۔ مالی وجانی قربانی پیش کرنا اس دین ومذہب کی صداقت کا بہت بڑا نشان ہوتا ہے اس طرح بانیٔ دین ومذہب کے خاص واقف کار افراد خانوادہ جو بانی کے اسرار ورموزِ حیات اور اس کی زندگی کے تمام خفی وجلی زاویوں سے آگاہ ہوتے ہیں، بوقتِ ضرورت ان لوگوں کا جان تک کی قربانی سے دریغ نہ کرنا ہی اس مذہب اور بانی کی صداقت کا ثبوت اور بیّن دلیل ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ پیغمبرِ اسلام کا اپنے غزوات میں یہ طریقۂ کار تھا کہ جب میدانِ کارزار گرم ہوتا تھا اور سروں کے فصل کی کٹائی ہوتی تھی تو اپنے عزیز واقارب کو سب سے آگے رکھتے تھے۔ اس طرزِ عمل کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ کے چچا زاد بھائی عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب جنگِ بدر میں، چچا جناب حمزہ بن عبد المطلب جنگِ احد میں، چچا زاد بھائی جعفر بن ابی طالب جنگِ موتہ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ اسی طرح میدانِ مباہلہ میں بھی جہاں ہلاکتِ ابدی کا سوال تھا جب اسقفِ نجران نے یہ دیکھا کہ ایسے کٹھن وقت میں غیروں کی بجائے اپنوں کو ساتھ لائے ہیں جن کو اپنی حقانیت کا پورا یقین ہے اور سرکارِ رسالتؐ کی سچائی سے

پورے واقف ہیں تو اس (اسقف نجران) نے فوراً کہا کہ جزیہ قبول کر لو۔ مباہلہ کرنے کی جرأت نہ کرنا۔ آنحضرت صلعم کے اس طرزِ عمل سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو دینِ اسلام کس قدر عزیز تھا۔ لہٰذا جب سے انسانی شعور نے آنکھ کھولی واقعات ذہنوں سے برآمد ہو کر تختیوں، پتھروں اور کاغذوں پر منتقل ہونے لگے۔ تاریخِ عالم جب سے شروع ہوئی، یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ظالم ہمیشہ مظلوم کو مٹاتا رہا مگر مظلومیت ایک لازوال حقیقت کی طرح اپنا لوہا منواتی رہی اور یہ بات بھی تاریخ کے مطالعے سے صاف عیاں ہے کہ ظالم کی فتح مادّی اور عارضی ہوتی ہے جبکہ مظلوم کے نظریات کی فتح ابدی، دائمی و منصبی ہوتی ہے۔ جناب ذکریا علیہ السّلام کو آرے سے چیرنے والے وقتی طور پر فتح یاب ہوئے مگر ان کی فتح کچھ وقت یعنی دنوں کے بعد دم توڑ گئی۔ آج تک ذکریا علیہ السّلام کا نام زندہ جاوید ہے۔ جناب عیسیٰ علیہ السّلام کو سُولی پر چڑھانے والے فتح کے شادیانے بجاتے رہے مگر ان کی فتح کا نشہ بہت جلد اُتر گیا۔ عیسیٰ علیہ السّلام کو فتح ابدی حاصل ہوئی۔ مکّہ میں سیّد الانبیاءؑ کو سخت اذیتیں دی گئیں یہاں تک کہ ایسا وقت آیا کہ سرکار کو اپنا آبائی وطن چھوڑنا پڑا۔ مظلوم کو اپنی مملوکہ اشیاء سے دستبردار ہونا پڑا۔ انتہا یہ کہ کعبۃ اللّٰہ کی زیارت سے بھی محروم ہونا پڑا۔ قریش بظاہر کامیاب ہوئے لیکن آفتاب و ماہتاب کی روشن آنکھوں نے دیکھا کہ ابوجہل، ابولہب کو دائمی شکست ہوئی اور رسُولِ عربی کا دین دُنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گیا۔ محمد مصطفےٰ فتح یاب ہوئے۔ آپ کو حقیقی اور باطنی فتح نصیب ہوئی (انا فتحنا لک فتحاً مبینا) آج بھی قرآن پاک اس کی رجز خوانی کر رہا ہے۔ یہ مکّہ کے مظلوم کی فتح ہے۔ یہ سلسلہ کچھ دُور تک آگے بھی چلتا ہے ابوجہل و ابولہب کی ناکامی کے بعد ابوسُفیان کی اولاد نے مظلومیت کے ساتھ ظلم کے ساتھ معرکہ گرم کیا۔ ظلم کے جس قدر انداز ممکن تھے وہ

سب اپنائے مگر مظلومیت پورے اطمینانِ قلب کے ساتھ ظلم کے مقابلے میں ڈٹی رہی۔ آلِ ابوسُفیان نے پچھلے ظالموں کے سب ریکارڈ توڑ دیئے۔ پورے پچاس سال تک وارثانِ کتاب و قرآن کے خلاف حربہ استعمال کیا۔ ہر قسم کا اسلحہ، جھوٹ، فریب، دغابازی، عیاری، رشوت، ڈپلومیسی استعمال کیا۔ مساجد و معابد کی توہین و تذلیل کی۔ زانیوں، بدکاروں کی حوصلہ افزائی کی۔ حرام زادوں سے رشتہ داری کا ڈھونگ رچایا۔ عیسائی سیہ کاروں کو مُشیر بنایا۔ ان کو رشتۂ قرابت میں پرو دیا۔ پھر کندۂ ناتراش فوج مہیّا کی۔ غرض وہ سب کچھ کیا جو ابوجہل و ابولہب نہ کر سکے۔ مگر دُنیا کی آنکھوں نے دیکھا کہ صفین کے میدان میں فتح مظلوم کو ہوئی۔ آج بھی طرفدارانِ اُمّیہ کو یہ کہنا پڑے گا اور کہتے ہیں کہ حق علیؑ کے ساتھ تھا۔ البتہ وہ اہلِ باطل کی تعلیم میں فرق ابھی بھی نہیں آنے دیتے۔ اتنے جتن کے باوجود ظالم کامیاب نہ کہلائے۔ بلکہ وہ جن کی عورتیں شہداء کے کلیجے تک چبا جایا کرتی تھیں۔ غصّے میں وہ اپنے ہی ہونٹ چبا کر رہ گئے۔ انہوں نے اب ایک دفعہ پھر مذکورہ بالا ہتھیاروں کو صیقل کیا اور مزید نئے نئے ہتھیار اور مادّی وسائل جو ممکن تھے فراہم کیے۔ اب کندۂ ناتراش شامیوں کے شانہ بشانہ لالچی کوفی بھی لائے گئے۔ تاکہ حرمین شریفین کے شرفا کا ناطقہ بند کر دیا جائے اور سرمایہ پرستوں کو سُنہری روپہلی چوکھٹوں پر بٹھا کر فتویٰ دینے کے پرمٹ جاری کیے گئے۔ بات یہاں پر ختم نہیں ہوئی بلکہ شراب خوری، زناکاری اور رقص و سرود کی محفل آرائی عام کر دی گئی۔ جہلاء اور ضمیر فروشوں کی ٹڈی دل فوج میدانِ کربلا میں جھونک دی گئی۔ ۶۱ھ کے پہلے ماہ کے پہلے عشرہ میں مظلومیت کو مٹا دینے کا تہیّہ کر لیا گیا۔ اب آلِ سُفیان کے ساتھ آلِ مروان اور آلِ زیاد بھی شامل ہوئے۔ یہاں تک کہ کلمہ گو بھی کہلاتے رہے اور ظلم کو فاتح بنانے کی بھی کوشش کرتے رہے۔ دسویں مُحرّم کو میدانِ کربلا میں ظلم نے مظلومیت پر تاریخِ عالم کا سب سے بڑا حملہ کیا۔ یہ حملہ انسانیت کے خلاف

بربریت کا۔ اسلام کے خلاف کفر کا۔ ایمان کے خلاف منافقت کا۔ قرآن وتہذیب کے خلاف وحشت و بربریت کا۔ پیغمبر کے خلاف ان کے ازلی دشمنوں کا۔ اللہ کے دین کے خلاف اللہ کے دشمنوں کا تھا۔ ایک طرف ظلم ہر قسم کے اسلحے سے لیس ہو کر برسوں کی تیاری کے بعد آیا۔ دوسری طرف جناب سرکار حسین علیہ السلام فرزند رسولؐ اپنی مادی بے سروسامانی مگر پوری قوت ایمانی کے ساتھ آئے اور اس طرح سرکار سید الشہداءؑ کے جاں نثار بیٹے، بھتیجے، بھانجے قربان ہوئے کہ باطل کی سیاہ کار عمارت کی بیخیں کچھ اس طرح اکھاڑیں کہ تاقیام قیامت پھر دوبارہ تعمیر ناممکن ہوگئی۔

غیور مسلمانو! مقام غور ہے کہ رسولؐ مقبول اور اور اولادِ رسولؐ پر جن ہاتھوں سے ظلم ڈھائے گئے وہ کس قوم کے تھے؟ کیا ان کا تعلق، یہود، نصاریٰ، عیسائی ہندو یا سکھ قوم سے تھا؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ اسلام کے دعویدار تھے۔ نماز، روزہ، حج یعنی فروعات کے بھی دعویدار تھے۔ بغلوں میں قرآن بھی لیے پھرتے تھے۔ ملاحظہ کیجیے کچھ نام اسی قسم کے لوگوں کے جو صحابئ رسولؐ بھی کہلاتے تھے۔

۱۔ برابوسفیان — لعنت
۲۔ ″ معاویہ — ″
۳۔ ″ مروان — ″
۴۔ ″ یزید — ″
۵۔ ″ ابن زیاد — ″
۶۔ ″ عمر سعد — ″
۷۔ ″ شمر ذلجوشن — ″
۸۔ ″ حرملہ بن کاہل — ″
۹۔ ″ سنان بن انس (اس نے شمر ملعون کو امامؑ کے قتل کے لیے بلایا) لعنت
۱۰۔ بر خولی اصبحی (سر امامؑ نیزہ پر لیکر چلا تھا) لعنت
۱۱۔ ″ معقل ملعون (قاتل حضرت امیر مسلم) — ″
۱۲۔ ″ رشید ملعون (ہانی کا قاتل) — ″
۱۳۔ ″ حصین بن نمیر (اسکی بیٹی مشہور رقاصہ تھی، قاتل جناب علی اکبرؑ) — ″
۱۴۔ ″ شیش بن ربعی — ″
۱۵۔ ″ محمد بن اشعث — ″
۱۶۔ ″ مضرور بن ربیعہ — ″
۱۷۔ ″ عبداللہ بن — ″
۱۸۔ ″ مالک بن بشیر — ″

۱۹- بہ نافع بن مالک — لعنت

۲۰- 〃 حارث بن بشیر — 〃

۲۱- 〃 حارث بن نوفل (گھوڑے دوڑائے) — 〃

۲۲- 〃 خولی بن یزید — 〃

۲۳- 〃 عمار قاتل (عبدالرحمٰن بن عقیلؑ کا قاتل) — 〃

۲۴- 〃 عثمان بن خالد — 〃

۲۵- 〃 بشیر بن سوط — 〃

۲۶- 〃 زیاد بن مالک — 〃

۲۷- 〃 عبید بن اسود — 〃

۲۸- 〃 مرہ بن منقذ عبدی — 〃

۲۹- 〃 حکیم بن طفیل (جناب عباسؑ کا قاتل) — 〃

۳۰- 〃 اسحٰق بن اشعث (اس نے حضرتؑ پر پتھر مارے) — 〃

۳۱- 〃 ابوالحلیق (ابن زیاد کا شاعر تھا) — 〃

۳۲- 〃 قیس بن خصص شیبانی — 〃

۳۳- 〃 عمر بن صبیح صیدادی — 〃

۳۴- 〃 مالک بن میثم ہدانی — 〃

۳۵- 〃 حمل بن مالک محاربی — 〃

۳۶- 〃 بجول بن سلیم کلبی — 〃

۳۷- بہ رقاد بن مالک — لعنت

۳۸- 〃 عمر بن خالد — 〃

۳۹- 〃 عبدالرحمٰن بجلی — 〃

۴۰- 〃 عبدالرحمٰن بن قیس خولانی — 〃

۴۱- 〃 اسماء بن خارجہ فزاری — 〃

۴۲- 〃 اشعث بن قیس — 〃

۴۳- 〃 قاضی شریح کوفی — 〃

۴۴- 〃 اخنس بن مرشد — 〃

۴۵- 〃 حصین بن تمیم — 〃

۴۶- 〃 البحرین بن کعب — 〃

۴۷- 〃 اسحاق بن جویریہ — 〃

۴۸- 〃 رضی بن منقذ (حضرتؑ کی لاش پامال کی) — 〃

۴۹- 〃 سالم بن خثیمہ (〃 〃 〃) — 〃

۵۰- 〃 صالح بن جعفی (حضرتؑ کی لاش پامال کی) — 〃

۵۱- 〃 عبداللہ بن صلعت — 〃

۵۲- 〃 عبداللہ بن وہب ہمدانی — 〃

۵۳- 〃 مہاجر بن اوس تمیمی — 〃

۵۴- 〃 نوفل بن طفیل (حضرت علی اکبرؑ کے برچھی لگائی) — 〃

۵۵- 〃 واحطہ بن ناعم — 〃

۵۶- 〃 ہانی بن شبت خضرمی — 〃

۵۷- 〃 عبدالرحمٰن بن سلخت — 〃

۵۸۔ بر خولی بن عمر سعد لعنت

۵۹۔ بر عبدالمالک بن مروان (مروان کے بعد جانشین تخت ہوا) لعنت

صاحبِ ذوق مسلمانو یہ تو ہیں چند نام صحابہ کے۔ مگر تاریخ جو چھپائے نہیں چھپانے دیتی اعلان کر رہی ہے کہ نواسۂ رسولؐ کے قتل کے زمرے میں نو لاکھ مسلمان تھے جو بانگ دہل یہ اعلان کرتے ہوئے شرماتے نہیں تھے کہ نواسۂ رسولؐ جگر گوشۂ بتولؑ کو جلد شہید کرو۔ جمعہ قضا ہو رہا ہے۔ یہ ہے عارضی خاکہ اس وقت کے مسلمانوں کا جن کے ذریعے بنی عباس کی حکومت کا دور شروع ہوا جو بنی اُمیّہ کی طرح کا ہی دین پسند کرتے تھے اور دین محمدؐ و آلِ محمدؐ سے قطعاً لگاؤ نہیں رکھتے تھے بلکہ جو کام کیا آلِ محمدؐ اور دین محمدؐ کے برعکس کیا۔ لہٰذا بنی عباس نے اقوال، شریعہ و فروعات کو بنی اُمیّہ کے عقائد پر ہی جاری رکھا جو آج تک ہند و پاک میں اکثریت میں رائج چلے آ رہے ہیں۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرعِ دیں بتکدۂ تصوّرات

برادرانِ ملّت، واقعاتِ کربلا کی حقیقت مادّی نہیں ہے بلکہ ہمارے عقل و شعور سے بہت بلند ہے جس کو اربعہ عناصر کا بنا ہوا انسان سمجھنے سے قاصر و عاجز ہے۔

حجرِ اسود سے ہے تیرے جوں کا رتبہ بلند
کربلا تو خانۂ حق کی ہے تعمیر ہے

یہاں بھی ظلم کی آندھی نہ رکی تو پھر شیرِ خدا کی بیٹی ملکۂ عصمت و طہارت کی نظر اٹھی۔ ادھر ظلم کے سامنے اس طاہرہ بی بی کے سوا اور کوئی رکاوٹ نہ رہی تو اس نابکار مسلمان نے ناموسِ رسولؐ کو قید کر کے مشتہر کرنا چاہا جنھیں سب سے پہلے کوفہ کے بازار میں لے جا کر اپنی کامیابی کا ڈھنڈورا پیٹا۔ پھر چاہا کہ شام کے دربار یزید ملعون میں لے جایا جائے۔

دین صرف محمدؐ و آلِ محمدؐ کا محتاج ہے۔ آلِ محمدؐ علیہم السلام ہی منشائے الٰہی ہیں جو اللہ چاہتا ہے وہ صرف محمدؐ و آلِ محمدؐ ہی چاہتے ہیں۔

سمجھو اور سوچو ہم لوگ حضرت خضر پیغمبر کی طرح ہمیشہ زندہ نہیں رہیں گے۔ آج دن ہے کل محشر ہے عزاداری فرزندِ رسول تمہارے لیے ما حاصل ہے۔ اس کے قواعد و ضوابط کو بھول کر ہم اہلِ بیت کے نام لیوا کہلانے کے مستحق کب ہو سکتے ہیں۔ اس عزاداری ماتم مظلوم حسینؑ ابنِ علیؑ کا پیغام تمہیں جناب سیدہ زینب سلام اللہ علیہا سے ملا ہے۔ اس صف کی مالکہ جناب سیدہ ہیں۔ بھائی کی شہادت کے بعد قیدی قافلہ کیا سر سے ننگا نہ تھا؟ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک پاؤں ننگا نہ تھا؟ ہائے سیدِ سجاد کے پاؤں میں چھالے، زخم اور کانٹے نہ تھے؟ کربلا کی خاک سید زادیوں اور سید زادوں کے سر میں پڑی۔ کربلا سے شام تک کا سفر ہوا پھر قیدِ زندان سے معین وقت پر رہائی ہوتی اور آخر وارد مدینہ ہوا۔ کونسی تاریخ ہے جو بتلائے کہ پردہ داروں یا ساداتِ عظام کے کسی فرد نے وہ مٹی سر سے نکالی یا برسوں تک سادات کے گھروں سے دھواں نکلا۔ ہاں ایسے پردہ داروں کا زمانہ شاہد ہے کہ آخر موت تک نہ سائے میں بیٹھے اور نہ ٹھنڈا پانی پیا۔

افسوس جن کے ہادی و پیشوا کا یہ حال ہو ان کے چاہنے والے کہلاتے ہوئے محرم میں گوشت، دودھ تمہارے لیے ضروری ہے۔ اچھی سے اچھی خوشبوئیں لگائیں عشرہ محرم الحرام میں استری کئے ہوئے لباس پہن کر حسینؑ حسینؑ کہہ کر سینے پر ہاتھ مارنا تمہارے لیے باعثِ شرم تو ضرور ہے۔ ویسے اپنی اپنی محبت کی بات ہے۔ جوتے پہن کر دوسرے مسکین ماتم داروں کے پاؤں کچلنے سے بھی عبادت رذالت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ کم از کم ہر ماتم دار کا حلیہ ایسا ہونا ضروری ہے جس سے ہر دیکھنے والا یہی تاثر لے کہ اس کے ساتھ کوئی اندوہناک

حادثہ گزر گیا ہے۔

شبیہہ ذوالجناح، شبیہہ علم مبارک، تعزیہ پاک، جھولا شہزادہ علی اصغرؑ یہ سب شعائراللہ ہیں اور ان کے چھونے یا مَس کرنے کے لیے طہارت بڑی لازمی چیز ہے۔

سر میں خاک ڈالنا۔ پاؤں سے اور سر سے ننگے رہنا سنّت سجّادؑ ہے۔ عزاداری اور ماتم داری میں دکھیوں کا دُکھ بیان کیا جاتا ہے۔ ایسے میں فاخرہ لباس پہن کر یا بن ٹھن کر آنا دُکھیوں کو اور دُکھانے والی بات ہے۔ اس سے اجتناب کر کے جناب مسافرۂ شام کو خوش رکھیئے۔ ناراضگی مول نہ لیجئے۔ ماتم داری میں جوتا پہننا۔ فاخرہ لباس پہننا۔ خوشبو لگانا۔ گوشت خوری گناہ عظیم ہے۔

امام سیّدالساجدین علیہ السّلام تو کربلا کی خاک کو سر میں لے کر ننگے پاؤں شام گئے۔ اسی حالت میں مدینہ منوّرہ پہنچے۔ سالوں تک اسی حالت میں رہے۔ آپ ان معصوم کی سُنّت کو تازہ رکھ کر نجاتِ اخروی حاصل کریں۔ آلِ رسولؐ کا دربار بہت بڑا دربار ہے۔ ہر انبیاء، اولیاء، فقراء مومنین نے اسی دربار سے معرفت و بصیرت کی بھیک مانگی جس کو ملا اسی دروازے سے ملا ہے۔ مجھے اپنی کوتاہیوں اور کم علمی کا اعتراف ہے۔ میں قارئین سے بصد ادب یہ درخواست کروں گا کہ اگر کوئی کام کی چیز اس باب میں مل جائے تو میرے لیے بارگاہِ آلِ رسولؐ میں شفاعت کی دُعا فرمادیں۔ اور جو دُشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ مُلّاءِ سُوء ہیں اُن سے ہر لحظہ ہر گھڑی بیزاری کا اظہار کریں تاکہ آپ اپنے دینی مشن سے سبکدوش ہو کر دربارِ احدیت میں سرخرو ہوں۔

گویند غالبم بہ ثنائے تو یا علیؑ
حال ایں کہ من زحق ثنائے تو قاصرم

چنداں کہ نظر کردم و دیدم بہ حقیقت
از ہر دو جہاں مقصد و مقصودِ علیؑ بود

منشائے حق

باز آ، باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ گر کافر و گبر و بُت پرستی باز آ
درگاہ ما درگاہ ناامیدی نیست ہزار بار توبہ شکستی باز آ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

محترم بزرگو، بھائیو اور دوستو!

واقعۂ کربلا جامعیت اور افادیت کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے۔ وہ قوم کس قدر بدنصیب ہے جو ہر سال اس واقعۂ حق پر کروڑوں روپیہ خرچ کرتی ہے لیکن اس مقصد رفیع الدرجات سے کماحقہٗ آگاہ نہیں جو اس واقعۂ عظیم الشان میں پوشیدہ ہے لہٰذا ان برکات سے محروم ہے جو مقصد سے آگاہی کی صورت میں حاصل ہو سکتی ہیں۔ اس واقعہ کو بصیرت اور شعور سے منایا جاتا تو مسلمانوں کی بالعموم اور شیعوں کی بالخصوص یہ حالت نہ ہوتی جو آج ہے۔ اس واقعۂ عظمیٰ میں کیا کچھ مضمر نہیں ہے۔ بہترین اخلاقیات، بلند ترین روحانی اور معاشرتی اسباق نیز اسلامی سیاست کے اعلیٰ ترین اشارات موجود ہیں۔ اس میں انسانی زندگی کے عقلی، روحانی، جذباتی، اخلاقی غرضیکہ تمام تر پہلو بدرجہ اُتم موجود ہیں مومنین نے اس سلسلے میں اپنی جان و مال کی قربانی دے کر جو کردار ادا کیا ہے افسوس کہ قوم کو اس سے پوری طرح آگاہ کرنے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی گئی۔ جس طرح سرکار امام مظلومؑ پر طرح طرح کے مظالم توڑے گئے اور شہید اعظمؑ کے چاہنے والوں پر

ظلم وتشدد کی انتہا کی گئی اسی طرح فرزند رسولؐ کی قبر اطہر کی تاریخ بھی ایک داستان درد ہے۔ سیدالشہداؑ کی مخالفت کرنیوالوں نے قبرِ حسینؑ کا نشان مٹانے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تاکہ رُشد وہدایت کا یہ مینار ظلم کے وجود کی نشاندہی نہ کر سکے اور یزیدیت علیہ قوم کی نظروں میں ذلیل وخوار نہ ہو سکے مگر ے

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

شمع امامت کے پروانوں نے ہر دور میں ظالمین کی کوششوں کو ناکام بنایا نیز منشائے مشیت بھی یہی تھی کہ فرزند رسولؐ کی مظلومیت کا نشان قائم ودائم رہے کاش واقعہ کربلا کسی غیر مذہب یا غیر قوم کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوا ہوتا لیکن ے

قرآں کے حافظوں نے مارا ہے شاہ دیں کو

کچھ حاجیوں نے مل کر کعبہ گرا دیا ہے

فرزندِ رسولؐ نے منشائے ایزدی کو حیات جاوداں بخشی۔ لہٰذا قدرت نے بھی ان کو بلندی کی انتہا پر پہنچا دیا۔ بقول علامہ اقبال ے

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر | معنئ ذبحِ عظیم آمد پسر

کربلائے معلیٰ میں روضہ حسینی مومنین کی جس عقیدت ومحبت سے تعمیر ہوا ذیل میں حق وباطل کی اس کشمکش کے مختصر تاریخی حالات درج کیے جاتے ہیں۔

پہلی صدی محرم ۶۱ھ میں حضرت امام حسینؑ راہ حق میں شہید ہوئے۔ یزیدی فوج کے کمانڈر انچیف عمر بن سعد بن ابی وقاص کے حکم سے امام مظلومؑ، آپ کے عزیز واقارب اور اصحاب وانصار کی لاشہائے مبارک میدان کربلا میں ہی پڑی رہنے دی گئیں۔ خیام اہل بیت اطہار کو نذر آتش کر کے مخدرات عصمت وطہارت کو گرفتار کیا گیا اور سہرا ن آل محمدؐ کا یہ قافلہ کربلا سے کوفہ و دمشق لیجایا گیا۔ قبیلہ بنی اسد کے افراد نے شہداء کی لاشوں کو دفن کیا۔ ۶۶ھ میں امیر مختار ثقفی نے قبر مطہر کے گرد چہار دیواری تعمیر کرائی

اور ایک چھوٹا سا قبہ بنوایا۔ محمدؐ بن ابراہیم بن مالک اشتر نے اسے مزید پختہ کرایا مگر کچھ عرصہ بعد بنی اُمیّہ نے اس تعمیر کو گرا دیا۔ محبانِ حسینؑ نے قبر مطہر کے نزدیک نشان کے طور پر بیری کا ایک درخت لگا دیا۔ دوسری صدی ہجری میں عباسی خلیفہ ہارون رشید نے یہ درخت بھی کٹوا دیا۔ محبان آل محمدؐ نے ہزار طرح کی اذیتوں کے باوجود ایک شب میں قبر اطہر پر قبہ تعمیر کیا۔ لیکن مسلمان خلیفہ ہارون رشید نے اسے بھی گرا دیا اس کے بعد شمع امامت کے پروانوں نے مخفی طور پر قبر امام کا نشان بنا دیا تاکہ حکومت کو معلوم نہ ہو سکے تیسری صدی ہجری میں متوکل عباسی کو اس کا علم ہوا۔ ۲۳۶ھ ہجری میں اس نے حکم دیا کہ قبر حسینؑ پر ہل چلا دیئے جائیں مگر وہ ملعون اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔

بیل جب بھی قبر امام تک پہنچتے تھے تو پہلے ہی گھٹنے ٹیک دیتے تھے اور ہل چلانے والے مار مار کر جانوروں کو ختم کر دیتے تھے لیکن جانور بھی بے ادبی پر آمادہ نہ ہوتے تھے۔ اس طرح ہر روز قریباً ایک سو بیل ہلاک ہو جاتے ایک سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ہل چلانے والوں نے تنگ آکر حاکم وقت سے عرض کی کہ ظالم کچھ تو خدا سے ڈر۔ حیوان بھی فرزند رسولؐ کی قبر اطہر کی بے حرمتی پر آمادہ نہیں ہوتے تو تو انسان ہے۔ متوکل نے برہم ہو کر انہیں بھی قتل کرا دیا اور حکم دیا کہ دریائے فرات کا رُخ موڑ کر قبر امام حسینؑ کی طرف کر دیا جائے تاکہ قبر منورہ کا نشان باقی نہ رہے مگر پانی نے بھی قبر امام مظلومؑ کو کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ زمانے کی آنکھوں نے یہ عجیب منظر دیکھا کہ پانی قبر امام مظلومؑ کے چاروں طرف طواف کر رہا ہے۔ لیکن نقصان نہیں پہنچاتا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ زائروں کو سخت ترین سزائیں دی جاتی تھیں جو زائر اکیلا جاتا تھا ایک حصہ وجود کا قربان کرتا تھا۔ اگر دو زائر ہوتے تو ایک کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ اسی دوران سنہ ۲۴۷ھ میں منتصر باللہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا اور حکومت خود سنبھال لی اس نے قبر حسینؑ پر ایک قبہ تعمیر کرایا اور ایک مینار بھی بنوایا تاکہ دُور سے مزار اقدس

کی نشاندہی ہو سکے۔ ۲۷۳ھ میں پھر ایک ظلم کی آندھی اٹھی اور قبرِ حسینؑ کی یہ عمارت منہدم کر دی گئی۔ ۲۸۰ھ میں طبرستان کے علوی والی نے قبر پر قبہ تعمیر کرایا۔ چاروں طرف دیواریں تعمیر کرائیں جن میں زائرین کی سہولت کے لیے ۲ دروازے رکھے گئے۔ ۳۵۲ھ میں معز الدولہ نے عزاداری حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی عام اجازت دے دی بلکہ ایام عشرہ محرم میں بازار بند کرا دیئے۔ مشہد امام حسینؑ کی پختگی کے ساتھ ساتھ اضافہ بھی کیا۔ دیگر شہدائے کربلا کے مزارات بھی تعمیر کرائے معز الدولہ۔ رکن الدولہ اور عضد الدولہ ان تمام نے روضہ مبارک کی تعمیر کرائی اور سرکار امام حسین علیہ السلام کے نام پر ایک خزانہ بھی قائم کیا۔ اس زمانہ میں کثرت سے محبانِ حسین علیہ السلام نے کربلا میں مجاورت اختیار کی اور شہر کی آبادی بڑھ گئی۔ بنی ہاشم میں سب سے پہلے اولادِ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ، اولاد حضرت جعفر طیارؑ اور اولاد حضرت عباسؑ علمدار نے کربلائے معلیٰ میں سکونت اختیار کی۔ پانچویں صدی ہجری میں پھر دشمنانِ رسولؐ نے روضہ اقدس فرزند رسولؐ کا نام و نشان مٹا دیا مگر اسی وقت الحسن بن الفضل وزیر نے پھر تعمیر کرائی۔ چھٹی صدی ہجری میں پھر خزانہ مبارک لوٹ لیا گیا اور لوٹنے والی سپاہ نے آپس میں تقسیم کر لیا۔ جس جس گھر میں وہ مال گیا اسی کو آگ لگ گئی جو بجھانے سے بجھ نہ سکی۔ ساتویں صدی ہجری میں والی بخارا سلطان محمد بندہ نے جو برِ صغیر میں سادات بخاری کے مورثِ اعلیٰ قطب الاقطاب سرکار سید شیر شاہ جلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نانا تھے، روضہ مبارک کو بہترین ساز و سامان کے ساتھ تعمیر کرایا اور خادمانِ روضہ اطہر کے وظائف مقرر کیے۔ نیز زائرین کی سہولت کے لیے آسائشیں مہیا کیں۔ سلطان اویس بن حسن بن سلطان محمد خدابندہ نے ۲ بلند مینار تعمیر کرائے۔ جن پر سونا چڑھا دیا گیا۔ سلاطین محبانِ آلِ رسولؐ نے آٹھویں صدی ہجری میں روضہ اقدس کی جو تعمیر کرائی اور بلحاظ وسعت زائرین کی سہولت کے لیے جو سامان مہیا کیے وہ بے حد اطمینان بخش تھے۔

آٹھویں صدی میں بھی شاہ اسمٰعیل صفوی نے روضۂ مقدسہ امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ کی تعمیر میں اضافہ کیا اور قندیلہائے طلائی آویزاں کیں۔ نیز نہر کربلا کی تعمیر کی۔ اس کے علاوہ عراق بھر میں مزارات شہدائے کربلا و آئمہ اطہار کے لیے نگہبان مقرر کیے اور اس سلسلے میں اچھا خاصا عملہ مقرر کیا۔ شاہ اسمٰعیل صفوی کی تعمیر کردہ نہر کو سلطان سلیمان شاہ نے مزید پختگی دی اور ایک تختہ سنگ پر یہ مصرع کندہ کرایا ؎

آب رواں شد بہ کربلائے حسینؑ

۹۵۷ھ میں نظام دکن نے زر کثیر صرف کر کے امام مظلومؑ کے زائرین کے لیے روضۂ اقدس پر مزید آسائشیں مہیا کیں۔ گیارہویں صدی ہجری میں شاہ عباس صفوی نے روضۂ اقدس میں کاشی کی اینٹیں لگوائیں اور ضریح مبارک فولادی تعمیر کرائی۔ اسی طرح سلطان مراد رابع نے کربلائے معلیٰ میں شہدا کے مزارات کو پوستِ سے آراستہ کرایا۔ بارہویں صدی میں نادر شاہ درانی نے جناب سید الشہداؑ کے روضۂ اقدس پر نفیس ترین ہدیے پیش کیے۔ روشنی کے لیے بیش قیمت فانوس آویزاں کیے اور قبہ کی تعمیر کرائی جس میں ایرانی طرز کی آئینہ کاری کرائی گئی۔ طلا و نقرہ سے عمارت کو زینت دی گئی۔ تیرھویں صدی ہجری میں پھر اسلام کے دعویدار مسلمانوں کے تعصب کی آگ بھڑک اٹھی۔ عبدالوہاب نجدی نے کربلائے معلیٰ پر حملہ کیا۔ فرزند رسولؐ کی ضریح مبارک توڑ دی۔ روضۂ مبارک کا سامان لوٹا اور قتل عام کیا۔ معلوم ہوتا ہے ان لوگوں نے دین کا لبادہ اوڑھ کر رسولؐ کو جواجرِ رسالت دیا وہ عداوت اولادِ رسولؐ کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ سلطانِ روم اور خدیو مصر نے افواج بھیج کر اس سرکش نجدی کو شکست دی۔ فتح علی شاہ قاچار اور سلطان ناصر الدین قاچار شاہانِ ایران نے حرم اقدس کی دوبارہ تعمیر کرائی۔ ضریح مبارک چاندی کی تعمیر کرائی۔ صدر کے ایوانوں کو سونے سے مزین کیا۔ صحنِ حرم کو کشادہ کیا۔ مجتہدین عظام پاک و ہند آقائے سید حسین اور حجۃ الاسلام آقائے شیخ

محمد حسین صاحب جواہر الکلام نے لاکھوں روپیہ جناب حجۃ الاسلام سیّد ابراہیم قزوینی کو روضۂ مبارک کے لیے بھیجا۔ چودھویں صدی ہجری میں سیّد طاہر سیف الدین نے چاندی کی ضریح نصب کرائی اور روضۂ اقدس پر سونا چڑھایا گیا۔ عبدالرسول خالصی متعرف کربلا نے حکومت کے حکم سے روضۂ اقدس جناب سیّد الشہداؑ کے گرد و نواح کے مکانات منہدم شدہ کو صحنِ حسینی میں شامل کر کے وسعت دی۔

مومنین! دیکھئے مولاؑ کے چاہنے والوں نے تعمیری کام میں حکومت کے تشدد کا کس پامردی سے مقابلہ کیا۔ جان و مال کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اِس کارِ خیر میں کس قدر قربانیاں دیں۔ اب نہ تو وہ پُر آشوب زمانہ ہے اور نہ ہی وہ ظالم حکومت مگر قوم پھر اس طرح بے حسی کا شکار ہو چکی ہے کہ نہ تو دینی کام میں کوئی لگاؤ ہے اور نہ حشر و نشر کا کوئی خوف ہے۔ سمجھو اور سوچو! ہم لوگ حضرت پیغمبرؐ کی طرح ہمیشہ زندہ نہیں رہیں گے آج دن ہے تو کل محشر ہے۔ عزاداری فرزندِ رسولؐ تمہارے لیے ما حاصل ہے اس کے قواعد و ضوابط کو بھول کر ہم اہلِ بیت علیہم السّلام کے نام لیوا کہلانے کے مستحق کب ہو سکتے ہیں۔ یہ عزاداری ماتمِ مظلوم حسینؑ ابن علیؑ کا ورثہ تمہیں جناب سیدہ زینب صلوٰۃ اللہ علیہا سے ملا ہے۔ اس صف کی مالکہ جناب سیدہؑ ہیں۔ بھائی کی شہادت کے بعد قیدی قافلہ کیا سر سے ننگا نہ تھا۔ کربلا سے کوفہ و شام تک کیا برہنہ پا نہ تھا۔ ہائے! کیا سیّد سجادؑ کے پاؤں میں چھالے، زخم اور زخموں میں خار کانٹے نہ تھے؟ کربلا کی جو خاک سیّد زادیوں اور سیّد زادوں کے سروں میں پڑی تو کربلا سے شام تک کا سفر ہوا پھر قیدِ زنداں سے معین وقت پر رہائی ہوئی پھر معصوم علیہم السّلام کا قافلہ کربلا پہنچا اور پھر وارد مدینہ ہوا تو کونسی تاریخ ہے جو بتلائے کہ پردہ داروں یا سادات عظام کے کسی فرد نے اس دوران وہ مٹی سر سے نکالی ہو۔ برسوں تک سادات کے گھروں سے دھواں نہ نکلا۔ ایسے پردہ داروں کا زمانہ شاہد ہے کہ موت تک سائے میں بیٹھے نہ ٹھنڈا پانی پیا۔

افسوس جن کے ہادی وپیشوا کا یہ حال ہے ان کے چاہنے والے کہلاتے ہوئے محرم میں اچھی سے اچھی خوشبو لگاتے ہو۔ عشرۂ محرم میں استری کیے ہوئے کپڑے پہنتے ہو، جوتے پہنے ہوئے ماتم مظلومؑ میں آجاتے ہو، گوشت، دودھ وغیرہ استعمال کرتے ہو۔ کیا تمہاری شباہت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مظلومؑ کے عزادار ہیں؟

من از بیگانگان ہرگز نہ نالم

شبیہ ذوالجناح، علم، ضریح مبارک یہ شعائر اللہ میں سے ہیں۔ سر میں خاک ڈالنا، پاؤں اور سر سے ننگا ہونا سنتِ سجادؑ ہے۔ نیز جسم کے کسی حصے پر خوشبو لگانا گناہ ہے۔ یہ عزاداری مظلوم کربلا ہے۔ ایسا فاخرہ لباس نہ پہنو جس سے دشمنانِ اہل بیتؑ کا شائبہ ہو۔ فرمان رسالتؐ ہے من تشبہ بقوم فھو منھم۔ شبیہ ذوالجناح میں جوتا پہننا۔ ماتم مظلومؑ میں جوتا پہننا۔ فاخرہ لباس پہننا۔ خوشبو لگانا اور محرم میں گوشت خوری گناہِ عظیم ہیں۔

امام سید الساجدینؑ علیہ السلام تو کربلا کی خاک کو سر میں لے کر ننگے پاؤں شام گئے۔ اسی حالت میں مدینہ منورہ پہنچے اور برسوں اسی حالت میں رہے۔ آپ ان معصوم کی سنت کو تازہ رکھ کر نجاتِ اخروی حاصل کریں۔ آلِ رسولؐ کا دربار بہت بڑا دربار ہے۔ انبیاء، اولیاء، فقیر و فقراء، مومنین نے اسی دربار سے معرفت و بصیرت کی بھیک مانگی ہے جس کو ملا اسی دروازے سے ملا۔ مجھے اپنی کوتاہیوں اور کم علمی کا اعتراف ہے۔ میں قارئین سے بصد ادب یہ درخواست کروں گا کہ اگر کوئی کام کی چیز اس باب میں مل جائے تو میرے لیے بارگاہِ آلِ رسولؐ میں شفاعت کی دعا فرمائیں۔

یوں مجلس شبیرؑ میں بن ٹھن کے نہ آؤ
شبیرؑ کے ماتم کو تماشا نہ بناؤ!
کہتی ہیں یہ زہراؑ کہ مرا دل نہ دکھاؤ
غیروں نے ستایا ہے مجھے تم نہ ستاؤ!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا باب الحوائج

"حجرِ اسود سے ہے تیرے حوںؑ کا رتبہ بلند
کربلا تو خانۂ حق کی نئی تعمیر ہے"

دُنیا والو! سُنو، سوچو اور سمجھو۔ ظالم اور مظلوم معاشرے کے دو کردار ہیں جو وقت اُن کے نام بدلتا آیا ہے۔ ظالم صرف حقارت کے لیے نام چھوڑتا ہے، مظلومیت اَبدی اثر چھوڑتی ہے۔ اس کے نتائج دُور رَس ہوتے ہیں۔ اکثریت و اقلیت کا نعرہ نظریات کے لیے نہیں ہوتا، اس کے اثر کے لیے ہوتا ہے۔

اے عزادارانِ حسینؑ! کبھی کبھی مجھے ایک زخمی قیدی کی صدا سُنائی دیتی ہے جیسے سیدِ سجادؑ ہم سے کہہ رہے ہیں کہ میری آنکھوں کا خون اِتنا سستا تو نہیں تھا! اس میں سرکارِ ہاشم کی انا تھی۔ میری آنکھوں میں شامِ غریباں کے لمحے ٹھہر گئے۔ خیموں سے اُٹھتا ہوا دھواں اب تک میرے دل سے اُٹھ رہا ہے۔ کچھ تو سمجھو! توحید نے شبِ ہجرت ہمیں خریدا تھا۔ ذوالعشیرہ کی قیمت ہم نے ادا کی۔ دادے اور پوتے میں فاصلہ ہی کون سا ہوتا ہے؟ میں بھی لہجۂ علیؑ میں بول رہا ہوں۔ ہم نے حج کو عمرے میں بدلا، یہ ہماری دُور اندیشی تھی۔ ورنہ حضرت عباسؑ اور حضرت حنفیہؑ تو اکٹھے ہو ہی چکے تھے اور ہاشمی اپنے تیور بدل سکتے تھے۔ مگر کاش مسلمانو! کبھی تم نے بھی سوچا ہوتا کہ میرا خوُن جگر آنکھوں کے راستے کیوں بہہ گیا؟ میرے شباب پر زنداں نے ضعیفی کے پہرے کیوں لگا دیے؟ میرے باقرؑ کا بچپن بازاریں کیوں بیت گیا؟

میری سکینہؑ کے رُخسار آج تک کیوں نیلے ہیں اور وہ آج تک سہمی ہُوئی کیوں ہے ؟
ہائے ! اسے اپنے بھائی کے چہرے پر قاتل کی نظریں چبھتی ہوتی محسوس ہوتی ہیں۔ کاش !
ابن نمیر کی بینائی ختم ہوگئی ہوتی ۔ میرے پاؤں میں آبلے اور چہرے پر تازہ خون کی
لکیریں تھیں مگر میری آنکھیں پھر بھی نگران رہیں ۔ کیا قافلوں کے ساربان ایسے
بھی ہوتے ہیں ۔ ہائے میں آج تک ماں ربابؑ کے چہرے پر خون کی لکیریں نہیں گن
سکا ۔ مسلمانو ! تم کیا جانو کہ ہم کس طرح لُٹے اور کس واسطے لُٹے ۔ ارے ہمیں تو
لُوٹنے والے بھی رو دیتے ۔ عزاداران حسینؑ ! کبھی اُس قیدی کا خطبہ مجھے بے چین
کر دیتا ہے ۔ دربارِ دمشق میں اُمیّہ اور سرکار ہاشم کھُل کر آ گئے ۔ یزیدؑ نے جب
تعارف چاہا تو اُس قیدی کی بے لسبی لافتےٰ کے سانچے میں ڈھل گئی ۔ اس کے لہجے میں
عدنان بول رہا تھا عبدالمطلبؑ اور ابو طالبؑ آفرین کہہ رہے تھے ۔ قیدی کہہ رہا تھا کہ
باطل سُن ! باب خیبر اور باب السّاعت ایک ہی محاذ کے دو نام ہیں اُسے بھی علیؑ
نے فتح کیا تھا ، اسے بھی علیؑ ہی فتح کرے گا ۔ اے یزیدؑ ! دارالامارہ کی بُنیادیں سنبھال ۔
ہاشمی لہجے سے اس میں دراڑیں پڑ گئی ہیں ۔ ہم مُحبّت خدا ہیں ۔ تو نے مجھے چادریں
مانگتے ہی دیکھا اگر ہم مانگنے پہ آ جائیں تو فدک سے لے کر کربلا والی ایک رات تک
مہلت مانگتے ہیں اور اگر بے نیازی پر ہوں تو فرات پر قبضہ کر کے بھی پیاسے رہتے
ہیں ۔ خبردار ، اے ابن حرب ، تو عرب نہیں ہے ، تیری سانسیں بھی ہماری مقروض ہیں ۔
جناب خدیجہ کی دولت خون بن کر آج بھی تیری رگوں میں موجود ہے مگر ہم ہاشمی کریم ہیں ،
غلاموں سے اُلجھنا ہمارے ضمیر میں نہیں ۔ ہماری خیرات پر پلنے والے ہم سے نسب
پوچھتا ہے ۔ اے یزیدؑ سُن ! سورۃ کوثر میرا نسب ، الٓمٓ میرا وجود ، ہل اتیٰ میری
سخاوت ، فی القربیٰ میری قیمت ، مزمّل اور مُدثّر میرا اوڑھنا اور بچھونا ، سورۂ یوسف
میرا کردار ، والنجم میری عظمت ، انّما یداللہ میری تصدیق ، سورۃ قدر میری قدر ،

قابِ قوسین میری منزل، کہکشاں میری راہ گزر، قطب مجھ سے قائم، بسم اللہ میرا افتتاحیہ اور بلغ میرا اختتامیہ ہے۔

عزاداران حسینؑ! سید سجادؑ کی آواز فضا میں احتجاج ہے۔ ہائے، ہے کوئی زید بن ارقم۔ عبداللہ بن عفیف، سلیمان سروخزائی، مختار ثقفی، معلم کثیر اور ابراہیم بن مالک اشتر جو سید سجاد علیہ السلام کے خطبوں سے اثر لے اور مجھے بتائے کہ رسالت اور امامت میں فرق ہی کونسا ہے؟ مسلمان! سوچ اور سمجھ، اس کا غم اور اس کی عزاداری کا معیار، اپنے رسولؐ کی بیٹی سے پوچھ۔ یہ وہ ہیں جن کی قدم بوسی کو آسمان جھکتا رہا، جن کے دروازے پر ستارے کی جاروب کشی پر آیات نازل ہوئیں، جن کی بیٹیوں نے اپنی چادروں سے اسلام کا لبادہ تیار کیا، جن کا صبر ظلم و تشدد کے رخسار پر فاتح کا طمانچہ ثابت ہوا اور جن کی ماؤں نے دینِ حقّہ کی سربلندی کے لیے لختِ جگر صدقہ کر دیئے۔ آ دیکھ! ان میں سلمان، ابوذر، مقداد، میثم اور مختار ثقفی کو جن کے خون کے چھینٹوں نے بنو امیّہ کی حکومتوں کا نام تاریخ کے حافظے سے دھو ڈالا، جن کے سینے چھلنی ہو کر بھی اسلام کی تاریخ کے لیے لوح محفوظ بن گئے، جن کی پیشانیاں سوائے فرزند رسولؐ کے کسی کے سامنے نہ جھکیں، جن کی گردنیں انسانیت کی معراج کا دوسرا نام بن گئیں اور جن کی عظمت عرش کے میناروں سے ٹکرائی (بندہ نے مختار ثقفی، ابراہیم بن مالک اشتر اور معلم کثیر کو تلاش کیا۔ معلوم ہوا کہ کوفہ کا ہر دروازہ کسی اور ہی نام سے منسوب ہے)۔

ذرا سوچیئے اگر ہم وہ نہیں تو پھر زندہ رہنا جرم ہے اور مجرم کو خدا کبھی معاف نہیں کرے گا۔ ہم دنیا والوں سے کچھ نہیں چاہتے نہ ہی ہم مسلمانوں سے کچھ مانگتے ہیں۔ ہم تم سے ہنسی کا حق نہیں مانگتے۔ ہم تو صرف رونے کا حق چاہتے ہیں۔ دنیا کی خوشیاں تمہیں نصیب ہوں مگر ہمارا رونا ہمیں دیدو۔ ہمارے آنسوؤں، عزاداری و ماتم

پر پابندیاں نہ لگاؤ۔ ہم یہ نہیں جانتے کہ تمہارا واسطہ فرزندِ رسولؐ سے ہے یا نہیں۔

دُنیا کا ہر حکمران اپنا اقتدار بچانے کے لیے ہر طرح سے ہاتھ پاؤں مارتا ہے مگر مولائے حسینؑ وہ واحد عظیم المرتبت سلطان ہے جس نے حکومت اور اقتدار دونوں لفظوں کو اپنی لغت سے مٹا کر اپنی دائمی حکومت اور ابدی اقتدار انسانوں کے دلوں پر قائم کر دیا۔ ہر شخص تاریخ کے حافظے کا محتاج ہوتا ہے مگر امام حسین علیہ السّلام ایک ایسا کردار ہے جس کے دروازے پر تاریخ اپنے حافظے کا خالی کشکول لیے عاشورہ کی دوپہر تک بھکاریوں کی طرح کھڑی رہی۔ میں نے جب بھی حسین علیہ السّلام کے حوالے سے خدا کے وجود پر دلائل دیتے تو میرے مدِّ مقابل، خدا کے باغی نے اکثر اپنی ضد کا اعتراف کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیئے۔ فرزندِ رسولؐ تو کتنا عظیم ہے کہ طاغوتی طاقتیں تیرے عزاداروں سے ٹکراتے ہوئے جھجھکتی ہیں۔ اسی لیے ہم فرزندِ رسولؐ کی پرستش کرتے ہیں کہ اُس نے ہمیں دشمنوں میں عزّت ووقار کے سانس لینے کا سلیقہ عطا کیا ہے۔ مولائے امام حسین علیہ السّلام تیری ضعیفی کو علی اکبرؑ کی نوجوانی ادب سے سلام کرتی ہے کہ تیری تربیت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے کردار سے انتہائی زیادہ عظیم نکلی۔ حسینؑ ابنِ علیؑ اسی لیے دلوں پر حکومت کرنے والا شہنشاہ ہے کہ اِس نے فرشتوں کے وقتی طنز کا دائمی جواب اپنے ایک غلام حبیب ابنِ مظاہر کے آخری عبادت نواز جملے سے دیا۔ دُنیا والو! حسینؑ ابنِ علیؑ کی تخلیقی صلاحیتوں کا اندازہ صرف اس بات سے لگاؤ کہ اسنے اپنے اشارۂ ابرو سے ایک پل میں ایک عادی مجرم و گنہگار کو درجہ شہادت عطا کر دیا۔ یارسولؐ اللہ اگر ساری دُنیا بھی تیری عظمت سے منحرف ہو جائے پھر بھی تیرے مرتبے کی بلندی کے لیے صرف اتنی بات کافی ہے کہ تُو نے حسین علیہ السلام کی تربیت وپرورش کی۔ میں مولائے حسینؑ کا اس لیے گرویدہ ہوں کہ اس نے

مجھے اس اللہ کی معرفت عطا کی جس کی قیمتی نعمتوں میں سے ایک خود حسینؑ علیہ السلام ہے۔ دُنیا والو! حسینؑ علیہ السلام کو پہچاننا چاہتے ہو تو کبھی روزِ عاشور عزاداروں کے حلقہ میں کسی کمسن بچے کو ماتم کرتے ہوئے دیکھو، تمہیں یقین آجائے گا کہ حسینؑ واقعی منشائے حق تھا اور آج اس کے عزادار بھی حق پر ہیں۔ ہم حیران ہوتے ہیں کہ دُنیا ابراہیمؑ کی قربانی کی یاد مناتی ہے مگر اس کی قربانی کو مفہوم عطا کرنے والے فاتح حسینؑ ابنِ علیؑ کی یاد سے نہ جانے کیوں گریز کرتی ہے۔ حسینؑ فرزندِ رسولؐ تو نوکِ سناں پر آج بھی قرآن پڑھ رہا ہے مگر لوگوں کے کانوں میں آج بھی کوفہ کی منہ زور ہواؤں کا شور گونج رہا ہے۔

کاش کہیں سے ثانیٔ زہراؑ صلوٰۃ اللہ علیہا کا خطبہ شروع ہو جائے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر قوم اپنے پرچم کی اسی طرح تعظیم کرے جیسے حسین علیہ السلام کے پرچم کی تعظیم جناب عباس علیہ السلام نے کی تو دُنیا سے ظلم کا نام مٹ جائے۔

مولا! عزاداروں کے پاس تیرے غم کی دولت اور تیرے عزم کی طاقت کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اے قوم کی وراثتوں کے امین نوجوانو! آنے والے موسم اپنے تیور بدل رہے ہیں۔ یزیدی سازشوں سے بھری ہوائیں تمہارے تعاقب میں ہیں۔ اس لیے سرکار عباس علیہ السلام کے پرچم کی چھاؤں سے الگ نہ ہونا ورنہ زمانہ تمہارا نام تک مٹا دے گا۔

وہ آنکھ نہیں آنکھ جو سِم نم نہیں کرتے — وہ ہاتھ نہیں ہاتھ جو ماتم نہیں کرتے

رونے کے لیے حق نے تجھے چشم عطا کی — گریہ نہ کیا تو نے سمجھ عین خطا کی

رونا جس چشم کو شبیرؑ کا منظور نہیں ہے

وہ چشم تو ہے لیکن با نور نہیں ہے

نیزہ

ماتم کی صداؤں سے زمانے کو ہلا دو
دنیا سے ہر اک ظلم کے آثار مٹا دو

پیغام حسینؑ ابن علیؑ سب کو سنا دو
اس دور کے ہر شمر کو مٹی میں ملا دو

کیوں قوم کے چہرے پہ تھکاوٹ کی شکن ہے
پھر عزم حبیب ابن مظاہر کو صدا دو

کہتے ہیں یہی موسم خوشبو کے تقاضے
ہر دشت میں زخموں سے نئے پھول کھلا دو

عباسؑ کے پرچم کو فضاؤں میں اڑا کر
ہر قصر امیہ کے در و بام گرا دو

سادات کے خیموں کا دھواں دیکھ رہے ہو
اولاد ابو جہل کے ایوان جلا دو

ممکن ہو تو اک رات ستاروں کو بجھا کر
اشکوں کے یہ موتی سر افلاک سجا دو

مختارؑ کی صورت جسے جینا نہیں آتا
حرؑ بن کے اسے جھوم کے مرنا ہی سکھا دو

شبیرؑ کے غم میں کس واسطے چپ ہو
مولاؑ کے عزادار ہو کہرام مچا دو!

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥

استغاثہ

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن!
مُلّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

میرے محترم بزرگوار عزاداران سیّد الشہدا سرکار امام حسُین علیہ السّلام!

چند جملے مؤدبانہ گزارش کے ساتھ پیشِ خدمت ہیں جو دل میں ایک ولولہ کی شکل لیے ہوئے ہیں۔ ہر قوم کے عروج و زوال کی داستانیں تاریخ میں محفوظ ہیں۔ تاریخ آسمان کی طرح امین ہے۔ قومیں اپنے ماضی کے تجربات سے روشن مُستقبل بنا کر مورخ کو دعوتِ فکر دیتی ہیں۔ ہماری تاریخ کے مرتب کو کوہِ حرا سے شعب ابی طالبؑ تک جانا پڑتا ہے۔ کوفہ و دمشق کے بازاروں سے گزرتے ہوئے قدیم بغداد کے آثار دیکھنے پڑتے ہیں۔ ہماری تاریخ آنسوؤں سے نہیں خوُن سے لکھی گئی ہے۔ اسے بنی اُمیّہ کی عیّاری نہ چھُپا سکی، حجاج بن یوسف کی سختی نہ دبا سکی۔ عباسی شاطر اپنی بساط پر خود پٹ گئے، دارالامارہ میں رہ کر شاہی دبدبے سے وہ کام نہ کر سکے جو زندان میں رہ کر قیدی کر گئے۔ عزاداران امام حسُین علیہ السّلام آج بھی سیّد سجّاد علیہ السّلام دمشق میں خطبہ سرا ہیں۔ محمد باقر علیہ السلام ہشام سے برسرپیکار ہیں۔ منصور دوانقی امام جعفر صادق علیہ السّلام سے خوفزدہ ہے۔ ہارون الرشید موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے لرزہ براندام ہے۔ سرکار علی رضا علیہ السّلام کے عمرانی لہجے سے مامون کا دربار سہما ہوا ہے۔ سرکار حسن عسکری علیہ السّلام کے آبائی تیور دیکھ کر معتمد باللہ کا خون جم چکا ہے

قائم آلِ محمد حجۃ اللہ کی جلالت دیکھ کر دجال چھپ جانے کی کوشش میں ہے کیونکہ آخر اس کو آنا ہی ہے۔ انشاء اللہ وہ بہت جلد آئے گا۔

عزادارانِ حسینؑ! مولاؑ کا لشکر ترتیب پا رہا ہے۔ وہ پردے میں ہے۔ انگوٹھی والا ہاتھ باہر نکلنے والا ہے۔ وہ سرکار ہاشم کا لہجہ، عبدالمطلب کی سج دھج، سرکار ابو طالبؑ کا کردار و وجاہت لے کر سرکار حسنؑ کا نمونہ بن کر حسینیؑ عمل کے ساتھ اس کربلا میں آ رہا ہے۔ عزادارانِ امام مظلومؑ غور سے سنیں کہ مولاؑ کو کسی حبیب کی طرف خط نہ لکھنا پڑے اسے کسی مسلم بن عوسجہ کو نہ پکارنا پڑے، اسے حر کو نہ بلانا پڑے۔ ماتم دارانِ حسینؑ آئیں اور اس قافلے میں شامل ہو کر اپنی نجات حاصل کریں اور دعائیں لیں کیونکہ اس نے تو اپنی کریمی سے نصاریٰ کو بھی محروم نہ رکھا۔

میں مختار ثقفی کی تلاش میں ہوں مگر کوفہ کا ہر دروازہ مختار کے سوا کسی اور نام سے منسوب ہے۔ زبان سے دعویٰ کرنے والے بہت ملیں گے۔ میرے مولاؑ مجھے ابراہیم بن مالک اشتر اور مختار کے دوسرے ساتھیوں جیسی خبر دے تاکہ ہم سب مل کر یا لثارات الحسینؑ کا نعرہ بلند کر سکیں اور پھر کوفہ کی گلیاں قاتلانِ حسینؑ ابن علیؑ کے خون سے سیراب ہو جائیں۔ عزادارانِ امام مظلوم! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے موسم بہار کا پہلا پھول شہزادہ علی اصغر علیہ السلام کے تبسم کی خیرات مانگنے کے لیے کھلتا ہے مجھے سیاہ راتیں اس لیے عزیز ہیں کہ یہ شہزادہ علی اکبر علیہ السلام کے گیسوؤں سے ملتی ہیں اور چاندنی سے اس لیے محبت ہے کہ یہ شہزادہ قاسم علیہ السلام کی پیشانی کا صدقہ ہے۔ آؤ ہم مل کر فضا میں اسوۂ حسینی کا پرچار کر کے پرچمِ عباس علیہ السلام کو چاند کے سینے میں پیوست کر دیں تاکہ دنیا پر واضح ہو جائے کہ ہم حقیقی معنوں میں عزادار ہیں۔ دنیا کے منکروں کو ہم ببانگ دہل چیلنج کرتے ہیں کہ اگر تم حقیقی تخیل چاہتے ہو تو نواسہ رسولؐ کے کردار کا مطالعہ کرو کیونکہ حسینؑ

ابنِ علیؑ ہی انسانیت کی مشکلکشائی کا دوسرا نام ہے اور اس کا غم خوشی سے زیادہ پائدار حقیقت کا نام ہے۔ یہ بات بیمارِ کربلا کے تحمل آفریں ثباتِ عمل نے افشا کی جس نے غم کو ایک معصوم بچے کی طرح اپنے حوصلوں کی گود میں پالا تھا۔ حسینؑ کائنات کا واحد مطلق الحکم شہنشاہ ہے جس کی مظلومیت کے دربار میں ظلم نے ایک حقیر ترین مفتوح قبیلے کی طرح اعترافِ شکست کرتے ہوئے گردن جھکا لی اور جنابِ ثانیؑ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا ہمالیہ سے زیادہ بلند، آسمان سے زیادہ وسیع، نیل سے زیادہ گہرے، ہیرے سے زیادہ سخت، شام و سحر سے زیادہ منظم اور سمندر سے زیادہ حوصلہ مند کردار کا نام ہے۔ اِس عظیم کردار کی عظمت کے لیے اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ اس نے سرکار امام حسین علیہ السلام جیسے مسیحائے عالم کے آخری سجدے کو حیاتِ جاوداں عطا فرمائی۔ بعض جذبے لفظوں کی ادائگی میں نہیں آسکتے۔ عزاداریٔ امام حسینؑ بھی ایسے ہی جذبوں میں سے ایک اعلیٰ ترین جذبے کا نام ہے۔ اگر مذہب کی اُلجھنوں اور بالادستیوں سے بلند ہو کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ حسینؑ ابنِ علیؑ صرف محسنِ انسانیت ہی نہیں بلکہ محسنِ توحید ہے۔ لہٰذا جس نے کسی قسم کی مخالفت بھی حسینیت کی کی اُسنے توحید کا انکار کیا۔ حسین علیہ السلام جیسے محسن کے نام کو یاد رکھنا اور ادب و احترام سے صفِ ماتم بچھانا ہی عین شرافت ہے اس لیے کہ حسینؑ عالمِ انسانیت کا محسن ہے۔

اللہ کا کوئی نام نہ لیتا اگر محمدؐ نہ ہوتے اور محمدؐ کا کوئی نام نہ لیتا اگر جنابِ ثانیٔ زہراؑ جنابِ اُم المصائب سیدہ زینب صلوٰۃ اللہ علیہا نہ ہوتیں جن کے خطبے شام کے بازاروں اور درباروں میں توحید کی آواز بن کر گونجے۔ لہٰذا دین مولا حسین علیہ السلام کے سجدہ کا صدقہ ہے۔ ایمان سرکار علیؑ ابن ابی طالبؑ کی معرفت کا نام ہے۔ دوزخ بغضِ محمدؐ و آلِ محمدؐ اور نارا ضگی جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا صلواۃ اللہ علیہا ہے۔ لہٰذا صفِ ماتم فرزندِ رسولؐ ہی صرف وہ عمل ہے جس سے نجات اخروی حاصل ہوتی ہے۔ سوچو اور سمجھو! ظلم و تشدد

اور جبر و آمریت کی انتہا نے اپنا نام یزید منتخب کیا اور مظلومی نے حسینؑ کا سراپا چنا۔ کربلا میں شخصی جنگ نہ تھی، اُصول لڑ رہے تھے۔ آج بھی جو ان اُصولوں کو مٹانے کی کوشش کریگا اُسے معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ اُصول فرزندِ رسولؐ کے اٹل فیصلے کی بدولت قائم ہیں اور تا قیامِ قیامت قائم رہیں گے کیونکہ ؎

اُصولِ دیں نہ بچاتے جو کربلا والے
ورق ورق یہ کہانی بکھر گئی ہوتی
بچا گیا اسے سجدہ حسینؑ کا ورنہ
نماز، عصر سے پہلے ہی مر گئی ہوتی

لہٰذا تاریخ و واقعات کو ملا کر دیکھو تو تم کو معلوم ہو جائیگا کہ ہم وہ قوم ہیں جنکے پاؤں میں کبھی لرزش نہیں آئی ؎

ہم کو زنجیروں سے بہلایا گیا، ہم چُپ رہے
ہم کو انگاروں پہ تڑپایا گیا، ہم چُپ رہے
ہم کو زندانوں میں دفنایا گیا، ہم چُپ رہے
ہم کو دیواروں میں چنوایا گیا، ہم چُپ رہے
ہم کو ساحل پر بھی ترسایا گیا، ہم چُپ رہے
ہم کو دریاؤں سے لوٹایا گیا، ہم چُپ رہے

ہر زباں کو جبرِ خاموشی سے اب آزاد کر!
ہو چکی بس انتہائے صبر، اب فریاد کر!

توضیحِ محکمات فی ردِ متشابہات

"حقیقت ہی حقیقت"

زیرِ نظر کتاب "توضیحِ محکمات فی ردِ متشابہات" باوا سید صداحسین نقوی جلالی کے قلندرانہ ذہن کا پرتو ہے۔

میثم تمار کے دار پر ان کہے جذبات کو الفاظ کا وجود ملا ہے۔

ربذے میں تنہا ابوذرؓ کی خود کلامی نے تحریر کا روپ ڈھالا ہے۔

زندان میں مختار ثقفیؒ اور معلم کثیر کی سرگوشیاں ہم تک پہنچی ہیں۔

اللہ

عقیدہ سلمانؓ مزاج مقدادؓ شعور عمارؓ اور مالک اشترؒ کی فکر کی مکمل تشریح کی گئی ہے۔

رسولؐ کی ظاہری زندگی کے آخری لمحات پر مکمل بحث ہے۔

آخری وقت میں رسولؐ شاید یہی لکھ دیتے جس کو لکھنے کی اس کی اولاد نے ضرورت محسوس کی ہے۔

صفدر حسین ڈوگر

مقدمہ

ہم سمجھتے ہیں یہ آسان بڑی مشکل ہے
یا علیؑ آپ کی پہچان بڑی مشکل ہے

دین کی جان نہ پہچان بڑی مشکل ہے
کہتے ہیں کافی ہے قرآن بڑی مشکل ہے

اصل قرآں کو نہ سمجھتے ہوئے جی ڈرتا ہے
حفظ کر لیتے ہیں قرآن بڑی مشکل ہے

آپ ہیں مالکِ مفہوم زمانہ مولاؑ!
زندگانی کے معانی کا حسنؑ آپ سے ہے۔

زمانہ وہ حقیقت ہے جسے انسان سب سے پہلے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے کہ انسان کے ذہنی بلوغ کی ابتدا ہی اس جستجو کے آغاز سے ہوتی ہے۔ یہ بالکل الگ مسئلہ ہے کہ آپ زمانے کو کس زاویے سے دیکھ رہے ہیں اور میں کس جگہ بیٹھ کے دیکھنا چاہتا ہوں۔ یہ میری اور آپ کی مرضی پر منحصر ہے لیکن اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ اگر ہم زمانے کو مختلف انداز سے دیکھ رہے ہیں تو زمانہ ہمیں فریب دے رہا ہے۔ کائنات میں سے کسی شے کو اتنی جرأت آج تک نہیں ہوئی کہ وہ انسان کو فریب میں مبتلا کر سکے۔ فریب انسان خود کھاتا ہے۔ فریب کھانا ہی تو فطرتِ انسانی کی وہ ادا ہے جسے میں اور آپ اختیار کا نام دے کر جی ہی جی میں خوش ہو لیتے ہیں گویا ہمارے اختیار میں فریب سے بچنا ہی نہیں، فریب کھانا بھی ہے۔ ہم زمانے سے اس لئے فریب کھاتے ہیں کہ اس سے ہمارا براہِ راست تعلّق ہے۔ براہِ راست تعلّق سے میری مراد یہ ہے کہ زمانہ ہماری بنیادی ضرورت ہے۔ اگر متشابہات کی راہ پر چلیں تو ہم ایک قدم آگے نہیں بڑھا سکتے۔ زمانہ ہماری زندگی تو نہیں لیکن اس زندگی کی تگ و دو کے لئے میدان مہیّا کرتا ہے۔ یقین کی تمام صورتیں زمانے کے ادراک سے ظہور میں آتی ہیں ہم زمانے کو کس طرح سمجھتے ہیں اسی پر ہماری زندگی کے تمام لائحہ عمل کا دار و مدار ہے۔ غالباً آپ اس

حقیقت سے تو بخوبی واقف ہوں گے کہ زمانے سے فریب کھانے یا اسے سمجھنے میں غلطی کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم زمانے کو جس زاویے سے دیکھ رہے ہیں وہ سراسر دھوکا ہے۔ زمانہ ہی تو اس دُنیا کی وہ تنہا حقیقت ہے جسے آپ کسی بھی پہلو سے دیکھیں گے تو اس میں آپ کو یقین کی کوئی نہ کوئی صورت نظر آجائے گی۔ زمانہ ایک ایسا خزانہ ہے جس تک نہ صرف ہر شخص کی رسائی ممکن ہے بلکہ جس سے ہر شخص اپنی ہمت کے مُطابق فیض یاب ہوتا ہے۔ درصل زمانے کی دولت ہمارے چاروں طرف بکھری پڑی ہے اور ہم اس کے عین درمیان میں کھڑے ہیں۔ اکثر اوقات ہمیں یہ نہیں پتہ چلتا کہ ہم اس دولت کو کس طرح اپنے تصرف میں لائیں۔ عموماً ایسے موقعہ پر ہم بوکھلا جاتے ہیں اور اسی بوکھلاہٹ میں جہاں ہمارا ہاتھ پڑتا ہے ہم زمانے کی وہ دولت اُٹھا کر منزل سے بے پرواہ چل پڑتے ہیں۔ ہماری اس لاپرواہی اور بوکھلاہٹ کا دوسرا نام فریب ہے۔ یاد رہے کہ زمانے کی دولت کے بیشمار پہلو ہیں۔ وہ آگ بھی ہے اور پانی بھی، وہ فقیری بھی ہے اور امیری بھی وہ آزادی بھی ہے اور اسیری بھی۔ شور و غوغا اور مطالب و مفاہیم ہی زمانے کی پونجی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ زمانے کا وسیع دامن اس قدر رنگا رنگ متاع سے بھرا پڑا ہے جس کا اندازہ لگانا کسی طور ممکن نہیں۔ پھر یہ لُطف کی بات یہ ہے کہ ہمارے دل و دماغ کو زمانے کی رات بھی اسی طرح متاثر کرتی ہے جس طرح اس کا دن۔ جہاں تک اپنی طرف کھینچنے کا تعلق ہے زمانے کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اس صلاحیت سے محروم ہو۔ دلکشی تو گویا زمانے کی فطرت ہے خواہ ہم زمانے کے کسی بھی رنگ پر نظر جمائیں۔ اصل چیز توجہ ہے۔ ہم جس طرف بھی توجّہ ڈالیں گے اس کی حقیقت کا اندازہ ہوگا۔ لہٰذا جب ہم زمانے کو سمجھ نہیں سکتے تو ہم دعویٰ بھی نہیں کرسکتے کہ ہماری زندگی درست راہوں پہ گامزن ہے۔ معرفت حیات

کے لئے مفہوم زمانہ کو سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ یہاں میں نے حیات کا لفظ وسیع تر معنی میں استعمال کیا ہے۔ یہ حیات مرنے کے بعد کی زندگی پر حاوی ہے۔ لہٰذا جو شخص زمانے کے مفہوم کو سمجھنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اس میں ہر دو جہاں کے مفہوم کو سمجھنے کی صلاحیت کا پیدا ہو جانا ایک فطری بات ہو جاتی ہے۔ اس چیز کو سمجھنا ایک عام آدمی کا مسئلہ نہیں، انبیاء، اولیاء کے سامنے بھی یہ پہلا اہم مسئلہ رہا ہے۔ ہم مفہوم زمانہ کو سمجھے بغیر معرفتِ الٰہی کے حصول میں ادھورے رہ جاتے ہیں۔ اس لئے آدمؑ سے لے کر آنحضرتؐ تک جتنے نبی و رسول گزرے ہیں سب نے اپنی اُمتّوں کے افراد کو زمانے کا مفہوم سمجھانے کی سب سے پہلے کوشش کی ہے بقول معصومین علیہم السّلام خدا سمجھ میں آجاتا ہے، زمانہ نہیں آتا۔ اس لئے کہ زمانہ قریب کی حقیقت ہے اور انسان نے ہمیشہ قریب کی حقیقت سے ٹھوکر کھائی ہے۔ ہمارے معصوم علیہم السلام نے جس متوازن انداز میں اپنے قول و فعل کے ساتھ مفہومِ زمانہ کو سمجھانے کی کوشش کی ہے اس کی مثال دُنیا کی پوری تاریخ میں نہیں ملیگی۔ اقوال آئمہ علیہم السّلام سے صاف ظاہر ہے اور نصِ قرآن سے ثابت ہے کہ دین مکمل ہو چکا ہے وہ دین جو دینوں میں سے توحید نے پسند کیا وہ کامل اکمل دین ہے لہٰذا اب اس میں متشابہات کی گنجائش تو ہے نہیں بلکہ دین محکمات ہے۔ ہاں مگر بقولِ اقبال ؎

زمن بر صوفی و مُلّا سلامے — کہ پیغام خدا گفتند مارا
ولے تاویلِ شاں در حیرت انداخت — خدا و جبرئیل و مصطفےٰ را

اقبال کا صوفی و ملا کو سلام کہ وہ پیغام خدا تعالےٰ تو دیتے ہیں مگر اس کی ایسی تاویل کرتے ہیں کہ جس سے خود خدا و جبرئیل اور رسولؐ اکرم حیرت پڑ جاتے ہیں۔ (کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔)

واعظوں میں یہ تکبر کہ الٰہی توبہ — اپنی ہر بات کو آوازِ خدا کہتے ہیں
ان کے ہر کام میں دُنیا طلبی کا سودا — ہاں مگر وعظ میں دُنیا کو بُرا کہتے ہیں
فرقہ بندی کی ہوا تیرے گلستاں میں چلی — یہ وہ ناداں ہیں اسے بادِ صبا کہتے ہیں
آہ جس بات سے ہو فتنۂ محشر پیدا — یہ وہ بندے ہیں اسے فتنہ ربا کہتے ہیں
خانہ جنگی کو سمجھتے ہیں بنائے ایماں — مرض الموت ہے جو اس کو دوا کہتے ہیں
مقصدِ لحک لحمی یہ کھُلی ان کی زباں — یہ تو اک راہ سے تجھ کو بھی وبا کہتے ہیں
تیرے پیاروں کا تو یہ حال ہے اے شافعِ حشر — میرے حبیبوں کو خدا جانے یہ کیا کہتے ہیں

صاحبانِ فہم وادراک! گزارش ہے کہ دین ہے منشائے الٰہی اور اظہارِ منشائے الٰہی ہیں آئمہ علیہم السلام یعنی منبعِ مرضیٔ الٰہی معصوم علیہم السلام۔ تو ثابت ہوا کہ ناطقِ قرآن محمدؐ و آلِ محمدؐ اور قرآن صامت ان کی عصمت و طہارت کی گواہی۔ لہٰذا نہ تو کوئی فعل، حرکت و قول آئمہ کا رضائے الٰہی کے خلاف، نہ ہی کوئی لفظ قرآن صامت کا بغیر معنی، تو پتہ چلتا ہے کہ جس طرح آئمہ علیہم السلام ہر صفت سے موصوف اسی طرح قرآن صامت کا ہر لفظ با معنی یہ اور چیز ہے کہ دُنیا نہ تو آئمہ علیہم السّلام کو پہچان سکی اور نہ ہی قرآن صامت کو سمجھ سکی کیونکہ دونوں کے سمجھنے کے لیے معرفت ضروری ہے اور معرفت کے لیے تزکیۂ نفس ضروری ہے۔

صاحبانِ عقل تزکیۂ نفس کی تعلیم اسکولوں اور کالجوں کی نہیں جس کے امتحان لڑکے ہنستے کھیلتے پاس کرتے چلے جاتے ہیں، بلکہ یہ وہ مقدس تعلیم ہے جس کے ہر قدم پہ سالک کو ہوس رانی کا گلا گھونٹنا پڑتا ہے اور نفسِ امارہ کی ایک ایک رگ سے سیاہ خون کھینچنا پڑتا ہے۔ یہ تعلیم کالجوں، یونیورسٹیوں اور درسگاہوں کی شاندار عمارتوں میں کرسیوں پر بیٹھ کر نہیں لی جاتی بلکہ یہ تو خاک نشینوں اور ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں کی مرہونِ منت ہے۔ یہ محتاجِ آرائش و زیبائش نہیں

ہوتی لہٰذا اس کے اُستاد وخرقہ پوش درویش اور قلندر ہوتے ہیں جو سازوسامانِ دُنیا سے بے نیاز ہو کر صرف اپنے دل کو روشن اور منوّر بنانے کی فکر میں شب و روز لگے رہتے ہیں۔ یہ وہ تعلیم نہیں جو کتابی اوراق سے دماغی تیل نکالنے سے حاصل ہوتی ہے اور جس کی تحصیل کے بعد شکوک و اوہام کے سینکڑوں بھوت دل و دماغ پر مسلط کر لیے جاتے ہیں بلکہ یہ وہ مقدس تعلیم ہے جو برقی رو کی طرح دل سے دل کے اندر جاتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ یقین و وجدان اور جذب و فنا کے بند دروازے اس پر کھلتے جاتے ہیں جہاں بے خودی کے موزوں شکنجہ میں خودی کی رگ رگ جکڑی ہُوئی ہوتی ہے۔ یہ روح کی وہ بلند پایہ منزلیں ہیں جہاں مادّہ پرستی کا پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ فضائے قدس میں سانس لینے والا یہ انسان اپنے کو ایک ایسی دُنیا میں چلتا پھرتا پاتا ہے جو وسواسِ شیطانی کی آلائشوں سے بالکل پاک و صاف ہوتی ہے۔

صفائے نفس اور تزکیۂ نفس باطنی کی کچھ حدیں ہیں جن میں سے کچھ صفات نفس سے تعلّق رکھتی ہیں لہٰذا چار روحانی منزلیں کہلاتی ہیں جب تک نفس کا زنگ دُور کر کے آئینہ کی طرح چمکدار نہیں بنا لیا جاتا تب تک روحانی منزلوں کو طے کرنے کی قوّت نفس میں پیدا نہیں ہوتی۔ یہ صفتیں چار چشموں سے باہر آتی ہیں جو فضائل چہارگانہ کہلاتی ہیں اور وہ حکمت و عفت، عدالت و شجاعت ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اندر سے مختلف نوعیت کے دھارے نکالتا ہے۔ ان دھاروں سے جتنی قربت زیادہ ہوتی جاتی ہے نفس میں قوت بڑھتی جاتی ہے۔ جب رفتہ رفتہ منزلیں طے کرتا چلا جاتا ہے تو روحانیت کی پہلی منزل میں داخل ہوتا ہے جو حق الیقین کہلاتی ہے۔ تزکیۂ نفس کی چند منزلیں ہیں۔ ان میں سے صبر، شکر، توکل، قناعت، صلہ، زہد، ورع و تقویٰ ہیں۔ لہٰذا اس مدرسہ میں

جب کوئی طالب علم کسی صاحبِ شعور انسان کے سامنے تعلیم شروع کرتا ہے تو اس کے نصاب میں سب سے پہلا درس صبر کا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ تعلیم یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ مولا کی کسی مصلحت پر اعتراض نہ کرو۔ ہر موقع پر اس کی مصلحت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو۔ ان وسواس کو دل سے مٹانے کی کوشش کرو جو اس کی مصلحت پر اعتراض کی ہمت دلاتے ہیں۔ جب اُستاد سمجھ لیتا ہے کہ یہ اس منزل کو بحُسن و خوبی طے کر گیا ہے تو اس نصاب کا دُوسرا درس اس کے سامنے لاتا ہے۔ یوں ہی باری باری وہ یہ منازل طے کراتا رہتا ہے۔ جہاں تک طالب علم کے ظرف میں گنجائش ہوتی ہے وہ یہ نوری خزانہ اپنے اندر بھرتا چلا جاتا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی تقدس کی اس دولت کو حاصل کرنے کے لیے رہبانیت کا ڈھونگ رچایا اور ایک گروہ کو بستی سے دُور جا بٹھایا اور معاشرے کی تمام پابندیوں سے ان کو آزاد کر دیا۔ یہ طریقہ انسانی معاشرہ پر کھُلم کھلّا ظلم تھا۔ اسلام نے اس کو اپنے دائرہ عمل میں جگہ نہیں دی۔ اس کی جگہ زہد و تقویٰ کو رکھا۔ یعنی دُنیا والوں کے ساتھ مل جُل کر رہو مگر نفس کو گندگی سے بچاؤ۔ یہی تمہارا عین جہاد ہے۔ بہرحال جب سالک نفس کی منزلیں طے کر لیتا ہے تو روحانیت کی پہلی منزل میں داخل ہوتا ہے یعنی اب وہ حق الیقین کی فضا میں سانس لیتا نظر آتا ہے۔ شکوک و شبہات کے تمام کانٹے اس کے دل سے نکل جاتے ہیں۔ اس منزل پر کھڑے ہو کے امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا۔ **لو کشف الغطاء......** یعنی اگر تمام حجاب میری نظر کے سامنے سے ہٹا دیے جائیں تو میرے یقین میں ایک رائی بھر زیادتی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس منزل پر جا کر معصوم علیہم السّلام کی معرفت کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد دوسری منزل وجدان کی شروع ہوتی ہے یعنی ذکرِ معصومؑ میں سالک کو لذت حاصل ہونے لگ جاتی ہے۔

اس کے بعد تیسری منزل جذب کی ہے۔ یعنی یہاں تک تو سالک اپنے پیر دل سے عشق کی منزلیں طے کرتا ہوا آتا ہے۔ اس منزل کے بعد اب معصوم علیہم السلام کی طرف سے جذب شروع ہوتا ہے اور سراپردۂ جلالِ معصوم علیہم السلام پر نظر پڑتی ہے۔ اس کے بعد چوتھا درجہ فنا کا ہے یہ وہ مقام عشق ہے جہاں پہنچ کر فانی الوجود ہوجاتا ہے۔ اب اسے اپنی خودی کی خبر نہیں رہتی۔ لہٰذا معرفت محمدؐ و آل محمد یعنی قرآن ناطق اور صامت قرآن کے سوا اور کوئی غذا و خوراک نہیں چاہتا۔ تب پتہ چلتا ہے کہ مولاعؑ کا ہر لفظ بغیر کسی تعبیر، تفسیر، معنی کے ہیں۔ پھر وہ انسان صامت قرآن کو ایسے سمجھتا ہے جیسے سمجھنے کا حق ہے۔ اب بتائیں متشابہات کہاں ہیں قرآن میں۔ متشابہات قرآن میں نہیں بلکہ کم ظرف ملّا کم علم انسان نے قرآن کے لفظوں کو نہ سمجھا تو کہہ دیا کہ قرآن میں متشابہات ہیں۔ معرفت تو اسے اپنی نہیں، چہ جائے کہ قرآن سمجھ پائے، لہٰذا۔

دل سوز سے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بیباک نہیں ہے

موجودہ صورت حال

مسلمانوں کا ہر فرقہ اپنے تبلیغی پروگرام کو کسی نہ کسی آیت ہی سے عنوان کرتا ہے۔ کیا ان سب اختلافات کا منبع خود قرآن مجید ہے یا پیش کرنے والوں کی اپنی غلط فہمی سے یہ سب خرابیاں پیدا ہوئی ہیں؟ یہ صحیفہ ربّانی تو نازل ہی اس لئے ہوا تھا کہ لوگوں کے اختلافات رفع ہوجائیں۔

ما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ (سورہ النحل آیت ۶۴) ترجمہ: ہم نے اس کتاب کو تجھ پر صرف اسلئے نازل کیا کہ اس کے ذریعے لوگوں کے باہمی اختلافات کو دور کر دے۔

انہی اختلافات کی شکایت سرکار رسالتؐ پیش پروردگار کریں گے۔ یا رب

انّ قومی اتخذوا ھٰذا القرآن مھجوراً (فرقان) اے میرے پالنے والے میری قوم کے لوگ حافظ بن گئے۔ خوش الحانی سے تلاوت کرتے رہے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترا۔ الفاظ کے دلدادہ رہے مگر حقیقت سے دُور۔ بسم اللہ سے والناس تک پڑھ گئے لیکن تیرا منشا معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔

اپنے اعتقادات کو قرآن سے مطابق کرنے کی بجائے قرآن کو اپنے عقائد پر ڈالتے رہے۔ لا یعلمون الکتاب الّا امانی۔ اپنی خواہشات ہی کو کتاب اللہ تصوّر کرتے رہے، منشائے پروردگار سے کوئی واسطہ نہیں رکھا۔ خواہشاتِ نفسانیہ کے قالب میں ڈھال کر منشائے ربّانی کو پیش کرتے رہے۔ وجہ اختلافات چین۔ جاپان۔ روس۔ امریکہ۔ عرب۔ کسی جگہ کا قرآن اُٹھا کر دیکھو زیر، زبر و پیش تک یکساں ہیں، ذرّہ بھر بھی فرق نہیں۔ حد یہ ہے کہ اگر غلط پڑھا جائے تو اندھے تک ٹوک دیتے ہیں۔ جب مکتوبی صورت ہر جگہ اور ہر زمانہ میں بالکل یکساں رہی تو پھر اختلافات کیسے رونما ہوئے۔ الفاظ بمنزلہ جسم ہوتے ہیں اور معنی بمنزلہ روح۔ کیا خدا نے جسم کی تو اتنی حفاظت کی کہ زیر، زبر تک نہ بدلے لیکن معانی کے لئے انسانی کھوپڑیاں آزاد چھوڑ دیں کہ جس کا جو جی چاہے مطلب نکال لے؟ کھوپڑیاں بھی کیسی؟ مادر زاد جاہل مخلوق کی۔ واللہ اخرجکم من بطون امھاتکم لا تعلمون شیئاً۔ اللہ جب تمہیں ماں کے پیٹ سے پیدا کرتا ہے تو تم ورقِ سادہ جاہلِ مطلق پیدا ہوتے ہو (سورہ النحل آیت ۸۰) کیا ایسی مادر زاد جاہل مخلوق کو حکیم علی الاطلاق نے اپنا منشا معلوم کرنے کے لیے شتر بے مہار کی طرح آزاد چھوڑ رکھا ہے؟ ہرگز نہیں، اس نے تو خود خطرہ کا اعلان کر رکھا ہے یضلّ بہ کثیرا۔ ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں انسان

اس کتاب کی بدولت گمراہ ہوں گے کیونکہ یہ کتاب سب کے لیے ہادی نہیں، صرف متقی لوگوں کے لیے ہدایت ہے ھدی للمتقین۔ ایسی خطرناک کتاب کو کافی سمجھنا اعلان ربّانی کی تکذیب ہے۔ اگر گمراہ کرنے والی آیات جداگانہ درج ہوتیں تو یہ کتاب اس قدر خطرناک نہ ہوتی۔ لیکن آیات سب ملی جلی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم کسی آیت سے ہدایت پانے کا یقین کیے ہوتے ہوں، درآنحالانکہ بھٹک رہے ہوں۔ جب تک اس کے خطرناک پہلو کا خاطر خواہ انسداد نہ کیا جائے اس کتاب کے نزدیک جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ قرآن کی عظمت دلوں سے اٹھ گئی۔ اس خطرے کے اعلان کی پرواہ نہ کی۔ لوگ نہ پیغام ربّانی کو سمجھے نہ پیغامبر ہی کو سمجھے۔ پیغام لانے والے کو اپنے جیسا قرار دے دیا اور پیغام کے اس دعوے کو اعجاز کے باوجود کہ تمام جن و انس مل کر بھی اس کا جواب نہیں لا سکتے، دوسری کتابوں کو اس کے مثل تصوّر کرنا شروع کر دیا ؎

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآں در زبان پہلوی

من نمی گویم کہ آں عالیجناب ہست پیغمبر ولے دارد کتاب

کیا ایسے خیالات اور عقائد سے کلام اللہ کی توہین نہیں ہوتی! عظمتِ قرآن کے اس زوال کی وجہ سے ہر کس و ناکس عربی کی دو چار کتابیں پڑھ لینے کے بعد مفسّر ربّانی بن کر بیٹھ جاتا ہے حالانکہ یہ بڑی جسارت کا کام ہے بشرطیکہ معرفت رکھتا ہو کہ کیا کر رہا ہے۔

الہامی دستور العمل تعلیم دیتا ہے

طریقۂ ہدایت۔ فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئك الذین ھدٰىھم اللہ و اولئك ھم اولوا الالباب۔
(الزمر آیت ۱۸)

اے میرے حبیب خوشخبری دے میرے ان بندوں کو جو ہر کہنے والے کی بات کو توجّہ سے سُنتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ کہنے والا کون ہے۔ اپنا ہے یا بیگانہ ہے بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ کہا گیا ہے اور توجّہ سے سماعت کرنے کے بعد جو بہترین بات ملتی ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔ یہی لوگ صاحبانِ عقل کہلانے کے مستحق ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ لہٰذا اسی بنیادی تعلیم کے پیشِ نظر میری تحریر کو ملاحظہ فرمایا جائے۔ میں اس مضمون میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ قرآن کو کس طرح سمجھا جائے اور اس کے خطرناک پہلو کا سدِّباب کیسے کیا جائے۔ لے دے کر یہی ایک کتاب ہے جس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اگر اس کو سمجھنے کے اصول اس طرح پر طے ہو جائیں کہ کسی سلیم الفطرت اور معقول انسان کو انکار کی گنجائش ہی نہ رہے تو سب اختلافات دُور ہو سکتے ہیں۔

قرآن فہمی کے لیے عربی دانی کافی نہیں۔ سب خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ قرآن فہمی کو محض عربی دانی پر موقوف سمجھ لیا گیا ہے۔ عربی الفاظ و محاورات سے واقفیت ضروری تو ہے مگر کافی نہیں کیونکہ متکلم اپنے معانی کو الفاظ کے ذریعے دوسروں تک پہنچاتا ہے اور ان الفاظ سے جو تصوّر مخاطب یا سامع کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ مفہوم کہلاتا ہے۔ یہ مفہوم مخاطب کی اپنی معلومات اور سمجھ پر موقوف ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ سامع کا مفہوم متکلم کے مافی الضمیر کے عین مطابق ہو۔

یہی وجہ ہے کہ انسان کے کلام میں کئی احتمالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ دیوانِ غالبؔ کی اس قدر مختلف شرحیں لکھی گئی ہیں کہ اب یہ طے کرنا آسان نہیں کہ خود غالبؔ کا اپنا مطلب کیا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس عدالتوں میں روزانہ فریقین کے وکلاء ایک ہی قانون پیش کر کے اس کی مختلف تعبیریں کرتے رہتے ہیں۔ ایسے امکانات کلامِ ربّانی میں بدرجہ اولیٰ موجود ہیں اور ہونے چاہئیں کیونکہ اس میں عالمِ روحانیت کے حقائق پیش کئے گئے ہیں۔ اگر الفاظ بھی اُسی دُنیا کے استعمال کیے جاتے تو لوگوں کی سمجھ میں کچھ بھی

نہ آتا اور اگر حقائق اور الفاظ دونوں ہی اُس دُنیا کے ہوتے تو مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ صرف تیسری صورت ہی ممکن تھی۔ چنانچہ عالمِ روحانیت کے حقائق کو الفاظ عرب میں بیان کیا گیا ہے مگر تصرف کے ساتھ۔ اسی طرح ہر علم کی کتاب میں اصطلاح سے کام لیا جاتا ہے۔ اصطلاحات کیا ہوتی ہیں؟ عام الفاظ ہوتے ہیں جن کے مطلب میں کچھ تصرف کر کے اس علم کے حقائق کو بیان کیا جاتا ہے۔ لہٰذا محض زبان دانی سے قرآن کی صرف ظاہراً تنزیلی صورت معلوم ہو سکتی ہے اور وہ بھی بعض اوقات۔ لیکن اس سے حقائق و معارف سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ ایسے حالات میں پروردگارِ عالم پر فرض تھا کہ اپنے منشاء کو مخلوق تک پہنچانے کے لئے کوئی اطمینان بخش ذریعہ خود مقرر کر دے۔

عربی دانی کا انحصار زیادہ تر لغت اور صرف و نحو پر ہے۔ اولاً لغت کا جائزہ لیا جائے کہ کہاں تک رہنمائی کر سکتی ہے۔

قرآن میں حروفِ مقطعات الٓمٓ۔ کٓھٰیٰعٓصٓ وغیرہ موجود ہیں لغت کی کوئی کتاب ان کا مطلب نہیں بتاتی۔ لہٰذا دو ہی نتیجے نکالے جا سکتے ہیں یا یہ حروفِ مقطعات معاذ اللہ مہمل ہیں یا ان کو سمجھنے کے لئے لغت بیکار ہے۔

اب اصطلاحات پر غور کیا جائے۔ اقیموا الصلوٰۃ وغیرہ لفظ صلوٰۃ کی تفصیل (تکبیرۃ الاحرام سے لے کر سلام تک) کسی لغت میں نہیں ملتی۔ لہٰذا اصطلاحات کے سمجھنے کے لئے بھی لغت ناکافی ہے۔

لغت کی کتابوں میں اکثر الفاظ کے کئی معنی درج ہوتے ہیں۔ اگر ایسا کوئی کثیر المعانی لفظ کسی آیت میں موجود ہو تو لغت یہ رہنمائی نہیں کر سکتی کہ ان مختلف معانی میں سے کونسا اس آیت میں منشائے ربّانی کی ترجمانی کرتا ہے مثلاً آیۂ مباہلہ میں لفظ نساء بروئے لغت بیٹی، زوجہ اور رجال سب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

عمل رسولؐ کو درمیان سے ہٹا کر کوئی شخص لغت کی مدد سے یہ طے نہیں کر سکتا کہ مباہلہ کیلئے خدا نے کس کو طلب کیا تھا۔ لہٰذا کثیر المعانی الفاظ کے لئے بھی لغت بیکار ہے۔

بعض اوقات ایسے الفاظ کے لئے بھی لغت بیکار ثابت ہوتی ہے جن کا صرف ایک ہی معنی لغت میں دے رکھا ہو۔ مثلاً اتموا الصیام الی الیل (البقرہ آیت ۱۸۷) "روزہ کو تمام کرو۔ رات تک"، اس آیت میں لفظ "لیل" کے متعلق مسلمان آج تک متفق نہیں ہو سکے کہ منشائے پروردگار کیا ہے۔ کوئی افطاری جلدی کرتا ہے تو کوئی تاخیر کے ساتھ۔ ثابت ہوا کہ حروف مقطعات، اصطلاحات اور کثیر المعانی الفاظ کے سمجھنے کے لئے لغت بیکار ہے بلکہ ایسے الفاظ کے لئے بھی بعض اوقات کارآمد نہیں ہوتی جن کا صرف ایک ہی معنی ہو۔

اب رہا صرف و نحو کا مسئلہ۔ نحو کی تدوین نزول قرآن کے بعد ہوئی۔ کلام خدا ان نحویوں کے مرتبہ قوانین کا پابند نہیں۔ خود نحویوں میں اختلافات آج تک موجود ہیں۔ وہ اپنے قواعد کی تائید میں آیات قرآنیہ پیش کرتے رہتے ہیں۔

لہٰذا ان قواعد پر قرآن فہمی کا دارومدار نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں یہ تاریخی حقیقت بھی خصوصیت سے قابل غور ہے کہ ابتداءً قرآن مجید اعراب سے مبرا ہوا کرتا تھا جیسا کہ عام طور پر عربی کی دوسری کتابیں ہوا کرتی ہیں۔ حجاج بن یوسف کے زمانہ میں ایک کمیٹی مقرر ہوئی جس نے لوگوں کی آسانی اور رہنمائی کے لئے موجودہ اعراب لگائے۔ لہٰذا یہ بحث کہ آیۂ وضو میں ارجلکم کا حرف لام زبر کے ساتھ ہے یا زیر کے ساتھ کسی نتیجہ پر نہیں پہنچا سکتی۔ جب تک کہ یہ پہلے ثابت نہ کر دیا جائے کہ اس کمیٹی نے منشائے ربانی سمجھ کر اعراب لگائے تھے ورنہ کوئی معقول دلیل پیش کی جائے کہ کیوں منشائے ربانی کو اس کمیٹی کے اعراب کا پابند قرار دیا جائے۔ اس بحث نے یہ واضح کر دیا کہ لغت اور صرف و نحو یعنی عربی زبان دانی قرآن فہمی کے لئے

کافی نہیں ہے۔

قرآن کا دعویٰ ہے کہ لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا (سورۃ النساء آیت ۸۱) وہ اپنے الہامی ہونے کی دلیل ہی یہ پیش کرتا ہے کہ اگر وہ غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں بیحد اختلافات ہوتے لیکن ماہرین زبان دانی امام فخر الدین صاحب تفسیر کبیر اور علامہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف نے ایک دوسرے کے خلاف تفسیریں لکھی ہیں۔ ایسی صورت میں تسلیم کرنا پڑے گا کہ یا قرآن کا یہ دعویٰ باطل ہے کہ اس میں اختلافات نہیں ہیں یا یہ مفسرین منشائے ایزدی نہیں سمجھتے۔ تفسیروں کے ایسے اختلافات ثابت کرتے ہیں کہ محض زبان دانی قرآن فہمی کے لئے کافی نہیں ہے۔

نزول قرآن کے زمانہ میں عربی زبان اوج کمال پر پہنچی ہوئی تھی۔ زبان دانی کے مدعی اپنے قصائد خانہ کعبہ میں بطور چیلنج آویزاں کر جاتے تھے کہ اگر کسی میں دم خم ہو تو ہمارے کلام کا جواب پیش کرے لیکن اس قدر زبان دانی کے باوجود وہ لوگ آیات ربانی کا مطلب نہیں سمجھتے تھے۔ آیات پیش ہونے پر خود سرورِ کائنات سے پوچھا کرتے تھے کہ حضور صلوٰۃ، اولی الامر، درود اور مودۃ فی القربیٰ وغیرہ سے کیا مراد ہے۔ ان اہل زبان لوگوں کا رسولؐ کی جانب رجوع کرنا ثابت کرتا ہے کہ قرآن فہمی کے لئے محض زباندانی کافی نہیں ہے۔

قرآن فہمی کیلئے عربی دانی کے علاوہ کیا درکار ہے؟

اگر محض زباندانی کافی نہیں تو منشائے ایزدی کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟ زباندانی کے علاوہ اور کیا کچھ درکا ہے؟

۱۔ علم طب، ریاضی یا منطق کی کتاب اگر اردو میں لکھی ہوئی ہو اور اس کا مطالعہ کوئی اردو دان کرے تو وہ سمجھ نہیں سکے گا تاوقتیکہ اس علم سے آگاہ نہ ہو۔

قرآن مجید بمصداق لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین، تمام خشک و تر کے علوم اور کائنات کے تمام حقائق پر حاوی ہے۔ لہٰذا جب تک ان علوم پر عبور حاصل نہ ہو، محض عربی دانی کافی نہیں ہے اس کا حقیقی عالم وہی سمجھا جائے گا جو ہر بات کا فیصلہ قرآن سے کر سکے۔

۲۔ لب و لہجہ کو ادائے مطلب میں بڑا دخل ہوتا ہے۔ لیکن کتابت میں یہ لہجہ منتقل نہیں ہو سکتا۔ اسی واسطے بعض اوقات مکتوبی الفاظ سے متکلم کا منشاء کماحقہ، معلوم نہیں ہوا کرتا۔ لہٰذا زبان دانی کے ساتھ ساتھ لب و لہجہ پر قدرت سے آشنا ہونا بھی ضروری ہے۔

۳۔ بلاغت کا مسلّمہ اصول ہے کہ کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم۔ یعنی مخاطب سے گفتگو اس کی سمجھ کے مطابق کی جائے۔ قرآن مجید میں متکلم خود خالقِ کائنات کی ذات ہے جو ہر مختصر سے مختصر کلام پر قدرت رکھتی ہے اور مخاطب وہ ہستی تھی جس جیسی کوئی اور پیدا ہی نہیں کی گئی (یعنی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) یہی وجہ ہے کہ اس قدر مختصر ہونے کے باوجود یہ کتاب اس قدر ہمہ گیر معلومات کی حامل ہے۔ کتاب کے الفاظ اقیموا الصلوٰۃ کو سمجھانے کے لئے حاملِ کتاب نے عمل کر کے فرمایا۔ صلوا کما رأیتمونی عملی۔ نماز ادا کرو جس طرح مجھے ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو۔

یعنی قرآنی لفظ صلوٰۃ ان تمام حرکات و سکنات اور اذکار کا ترجمان ہے۔ لہٰذا عربی دانی کے علاوہ ظرفِ استعداد بھی رسولؐ کے ظرف کے لگ بھگ ہونا ضروری ہے۔

۴۔ ما من غائبۃٍ فی السماءِ والارض الا فی کتابٍ مبین۔ (النمل آیۃ ۷۵) زمین و آسمان کا کوئی غیب ایسا نہیں جو اس روشن کتاب

میں موجود نہ ہو۔

لہٰذا عربی دانی کے ساتھ ساتھ ارض و سما کی غائب باتوں سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ نہ خیال کیا جائے کہ علم غیب کسی کے پاس نہیں ہوتا۔ سورۂ مزمل میں ارشاد ربانی موجود ہے۔ عالم الغیب لا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول (الجن آیت ۲۶) خداوند تعالیٰ خود اپنے برگزیدہ بندوں کو غیب سے آگاہ فرماتا رہتا ہے۔

۵ ۔ قرآن مجید کا اعلان ہے کہ اگر تمام جن وانس جمع ہو کر اس کا مثل لانے کی کوشش کریں تو نہیں لا سکیں گے۔ اس بنا پر قرآن کو معجزہ قرار دیا گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا چیز معجزہ ہے۔ کیا کاغذ معجزہ ہے یا روشنائی؟ یہی چیزیں دوسری کتابوں میں بھی ہوتی ہیں۔ کلام ربانی بیان کردہ حقائق کی بنا پر معجزہ ہے اگر عام عربی دانوں کی عقل ان حقائق پر احاطہ کر سکے تو معجزہ ہی کیا رہا۔ معجزہ کی حقیقت تو صرف معجزہ نما ہستی ہی جان سکتی ہے۔ لہٰذا عربی دانی کے علاوہ اعجاز نما ہونا بھی ضروری ہے۔

۶ ۔ آپ مجھ سے ملنے آئے، روانگی کے وقت میں نے آپ سے کہہ دیا کہ آج میں مچھلی پکوا رہا ہوں۔ آپ آدمی بھیج کر منگوالیں۔ آپ نے گھر سے آدمی کے ہاتھ رقعہ بھیجا جس میں تحریر تھا کہ حامل رقعہ کے ہاتھ وہ چیز بھیجدی جائے۔ دُنیا بھر کے اُردو دان اس رقعہ کی "وہ چیز" کا مطلب نہیں بتا سکیں گے۔

یہ راز صرف کاتب اور مکتوب الیہ تک محدود ہے۔ اسی طرح کلام اللہ میں بھی اسرار و رموز ہیں جنہیں قرآن کی وہ چیز قرار دیا جا سکتا ہے مثلاً اوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ (النجم آیت ۱۰) شب معراج منزل وحدت میں اللہ نے اپنے حبیبؐ کو وحی کی جو وحی کی۔ اوحیٰ کا مطلب یا خدا جانے یا اس کا رسولؐ ۔۔

حروف مقطعات اور دیگر اشارات اسی قسم کے اسرار و رموز ہیں۔ لہٰذا عربی دانی کے علاوہ اسرارِ ربّانی کا جاننا بھی ضروری ہے۔ اس قدر معلومات ایک مادر زاد جاہل انسان اپنی زندگی میں اکتسابی طور پر حاصل نہیں کر سکتا۔ علم لدنی ہی کسی ہستی کو ایسے ہمہ گیر علم پر فائز کر سکتا ہے۔ یہ خداداد علم ایک باطنی کمال یا حقیقت ہے۔ عام لوگوں کو کیسے معلوم ہو۔ اس لئے اولاً صحیفہ ربانی رہنمائی کرے کہ ایسی حاملِ علم لدنی ہستی کو کہاں تلاش کیا جائے۔ ثانیاً فرستادہ ربّانی یعنی سرورِ کائنات تعارف کرائیں تاکہ اُمت کو معلوم ہو جائے۔ ثالثاً ایسی باکمال ہستیاں خود اپنا تعارف کرائیں اور اس کا ثبوت بھی دیں۔

تعارفِ ربّانی خداداد علم کا پتہ خدا ہی دے سکتا ہے کہ کس ہستی کے پاس ہے اس لئے فرمایا ثمّ اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا۔ ہم نے رسُول پر کتاب نازل کی پھر ہم اپنے مصطفےٰ بندوں کو اس کتاب کا وارث قرار دیا۔ یہ خدا ساختہ وارثانِ کتاب حاملانِ علم لدنی مصطفےٰ بندے کون سے ہیں۔ قل الحمد للہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ (الصیغۃ) امر حکم ہے کہ خدا کی حمد بجا لاؤ اور اس کے مصطفےٰ بندوں پر سلام کیا کرو۔ (بنی اسرائیل ۱۱۱) دُنیائے اسلام میں وہ کون سی ہستیاں ہیں جن کے نام کے ساتھ علیہ السلام استعمال کیا جاتا ہے۔ وہ وہی ہیں جن کے لئے قرآن میں خدا کی طرف سے بھی درود و سلام ہے۔ سلامٌ علیٰ آل یٰسین۔ یہ آلِ رسُولؐ ہی کی خصوصیت ہے کہ خدا ان پر سلام بھیج رہا ہے۔ کسی اور پیغمبر کی آل کو یہ شرف نہیں ملا۔ قرآن مجید نے مزید روشنی ڈالتے ہوئے ان برگزیدہ ہستیوں کا یوں تذکرہ کیا ہے جاھدوا فی اللہ حق جہادہ ھو اجتبٰکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج، ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سمّٰکم المسلمین

من قبل وفی ھذا۔ اللہ کے لئے جدوجہد کرو جو حق ہے جہاد ادا کرنے کا اسنے تمہیں مجتبےٰ قرار دیا ہے۔ دین میں تمہارے لئے کوئی سختی نہیں ہے۔ یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملّت ہے جس نے تمہارا نام مسلم رکھا تھا۔ برگزیدہ افراد کی یہ جماعت اُمتِ مسلمہ ذُرّیتِ ابراہیمؑ کی نسل اسمٰعیل میں ہے لی ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحًا وآلِ ابراھیم وآلِ عمران علی العالمین ذرّیتاً بعظھا من بعض۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے مصطفےٰ قرار دیا۔ آدم کو، نوح کو، آل ابراہیم کو اور آلِ عمران کو تمام عالمین کے اوپر، ان میں کے بعض، بعض کی اولاد ہیں۔

اس ردیف قافیہ میں سرورِ کائنات نے تعارف کرایا۔ ان اللہ اصطفیٰ مبنی کنانہ من بنی اسماعیل، من بنی کنانہ قریش، ومن قریش مبنی ھاشم ومن بنی ھاشم اھل بیتی ۔ لہٰذا عربی دانی کافی نہیں ہے۔ ازروئے نسب اہل بیتِ رسولؐ ہونا اور ازروئے حسب وارث الکتاب حامل علم لدنی اور مصطفےٰ ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ "الکتاب" کی وراثت کیسے ملتی ہے۔ بل ھو آیات بیّنات فی صدور الذین اوتوا العلم (عنکبوت ۴۸) حقیقت قرآنیہ عطائے ربانی کے طور پر اُن ہستیوں کے سینوں میں ہوا کرتی ہے قبل کفی باللہ شھیدا بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب (رعد ۴۳) آیت میں نام نہیں لیا گیا صرف صفت بیان کی گئی ہے۔ من عندہ علم الکتاب کیونکہ ایسے وارثِ علم لدنی کی موجودگی ہر زمانے میں ضروری ہے۔

یہ وارثانِ "الکتاب" جاہل پیدا نہیں ہوتے بلکہ علیم پیدا ہوتے ہیں اور بمصداق، فوقَ کلِّ ذی علمٍ علیم (یوسف ۷۶) اپنے زمانے کے ہر اس صاحب علم پر فوقیت رکھتے ہیں جو جاہل پیدا ہوا ہو۔ مادرزاد جاہل عوام کی کیا ہستی کہ ان سے ہمسری کر سکیں۔ یہاں تو ملائکہ بھی سپر انداختہ نظر آتے ہیں حضرت

آدمؑ تھوڑے سے علم لدنّی کی بدولت مسجود ملائکہ قرار دیدیے گئے تھے لیکن ان ہستیوں کے تعارف میں خدا فرماتا ہے کلّ شیئٍ احصینہ فی امامٍ مّبین (یٰسین ١٢) کل کائنات کی حقیقت کو ہم نے امام مبین میں سمو رکھا ہے۔ یہ نزول قرآن سے پیشتر حقیقتِ قرآن کے عالم ہوتے ہیں۔ والذین اٰتینٰھم الکتاب من قبلہ بہ یومنون و اذا یتلیٰ علیھم قالوا اٰمنّا بہ انّہ الحق من ربّنا، انا کنّا من قبلہ مسلمین (القصص ٥٣)

سند جو علم لدنّی کی ہیں یہ پائے ہوئے
فصیح عجز سے ہیں گردنیں جھکائے ہوئے
بلیغ سر بگریباں ہیں منہ کی کھائے ہوئے
نہ لے پڑھے کبھو حق کے ہیں یہ پڑھائے ہوئے

لہٰذا علی ولی کے ساتھ ساتھ مصداق اوتوا العلم اور من عندہٗ علم الکتاب ہونا بھی لازمی ہے۔

ھو الذی انزل علیک الکتٰب منہ اٰیات محکمات ام الکتاب و اُخر متشابھات فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ وما یعلم تاویلہ الا اللہ والرّٰسخون فی العلم (آل عمران ٧) آیات محکمات صریح الدلالت ہوتی ہیں۔ وہ مرجع کتاب ہیں۔ لیکن متشابہ آیات محتاج تاویل ہوتی ہیں۔ جن لوگوں کے دلوں میں کھوٹ ہوتا ہے وہ اپنے باطل خیالات کی تائید میں متشابہ آیات پیش کرتے رہتے ہیں۔ وہ اپنی خواہشات کے سانچے میں ڈھال کر جیسی چاہیں تاویلیں کرتے رہتے ہیں۔ تاویل کسے کہتے ہیں۔ ظاہر معنی کو حقیقت کی طرف لوٹانا۔ اگر حقیقت معلوم نہ ہو تو تاویل بے سر و پا اور من گھڑت ہوگی۔ لہٰذا تاویل وہی کر سکتا ہے جس کو خدا نے حقیقت سے آگاہ کر رکھا ہو۔ یہی ہستیاں راسخ العلم کہلاتی ہیں۔ ان کا علم ایسا پختہ ہوتا ہے کہ اس میں تغیر بالکل نہیں ہوتا۔

یہاں سن وسال کی قید نہیں ہوتی۔ ان کی حقیقت ہی عین علم ہوتی ہے، بچپن جوانی اور بڑھاپا تو بجائے خود رہے، یہ ہستیاں بطنِ مادر میں بھی علیم ہوتی ہیں۔ ان پر نہ نسیان طاری ہوتا ہے اور نہ ہذیان۔ اگر خدا یہ فرماتا کہ علم ان میں راسخ ہے تو بھی بڑی بات ہوتی لیکن ایسی صورت میں احتمال ہو سکتا تھا کہ انہیں عالمِ وجود میں آنے کے بعد کسی وقت علم عطا کیا گیا۔ اسی احتمال کو دُور کرنے کے لئے خدا نے اس آیت میں علم کو ظرف قرار دیا ہے اور ان ہستیوں کو مظروف یعنی کوئی وقت ایسا نہیں ہے کہ یہ ہوں اور علم نہ ہو۔ راسخون فی العلم کی جماعت میں خود رسُولؐ بھی شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا ذکر علیٰحدہ نہیں کیا گیا ہے۔ جو بطنِ مادر سے جاہل پیدا ہوا اور جس کی سوانح حیات میں لکھا ہو کہ اس نے تفسیر کا علم فلاں مولوی سے سیکھا، علم حدیث کی تعلیم فلاں اُستاد سے پائی، علم فقہ کا درس فلاں شخص سے لیا، سمجھ لو وہ راسخ فی العلم نہیں۔ تاویل پیش کرنے کا اہل نہیں ہے۔ اس بیچارے کو تو یہ تمیز نہیں ہوتی کہ کونسی آیت محکم ہے اور کونسی متشابہ۔

اسی لئے راسخ فی العلم ہستیوں کا ذکر قرآن میں عام اہلِ ایمان سے علیٰحدہ کیا گیا ہے (سورۃ النساء) والراسخون فی العلم منھم والمومنون یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک۔ لہٰذا تاویل صرف دو طریقے سے پیش ہو سکتی ہے یا پیش کرنے والا خود راسخ فی العلم ہو یا کسی راسخ فی العلم کا قول نقل کر رہا ہو۔ اس لئے عربی دانی کے علاوہ راسخ فی العلم ہونا بھی ضروری ہے۔

اب ذرا قرآن پر غور کیا جائے۔ ہمارے کلام کا کیا طریقہ ہے ہمارے دل و دماغ میں ایک مطلب یا خیال ہوتا ہے جس کو بذریعہ الفاظ دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں یعنی مطلب مقدم ہوتا ہے اور الفاظ مؤخر۔ کیا کلامِ خدا

کو بھی یونہی تصور کیا جا سکتا ہے ؟ یہاں نہ زبان ہے ، نہ حرف ، نہ صوت کس طرح ممکن ہے کہ ایک محدود علم وادراک والا انسان خالق کے منشاء کو کماحقہ سمجھ سکے ۔ کلام اللہ کتابی صورت میں نازل نہیں ہوا۔ بلکہ نزل بہ الروح الامین علیٰ قلبك (الشعراء ۱۹۳) حقیقتِ قرآنیہ قلب محمد پر نازل ہوئی ۔ انہ القرآن کریم فی کتاب مکنون ۔ بے شک قرآن کریم کی حقیقت ایک پوشیدہ کتاب میں ہے ۔ باطنِ پیغمبر وہ کتاب ہے جس کی حقیقت زبان رسالت سے ادا ہونے پر قرآن کہلائی ۔ اس حقیقت قرآنیہ باطنِ محمد کو غیر مطہر مس نہیں کر سکتے ۔ لا یمسہ الا المطہرون ۔ حقیقتِ قرآن خلق و باطن پیغمبر ہے تزکیہ نفس کر کے انسان جس قدر باطنِ محمدیہ سے اتصال روحانی پیدا کرے گا اسی قدر پرتو اس میں آجائے گا ۔ اوصاف محمدیؐ رکھنے والی ہستی ہی حقیقتِ قرآن پر مطلع ہو سکتی ہے ۔ اس لئے عربی دانی کے ساتھ ساتھ مطہر بہ تطہیر الٰہی بھی ضروری ہے ۔

قرآن مجید اسرار و رموزِ ربانی کا حامل ہے ۔ ذاتِ ایزدی غائب ہے ۔ اسکے منشاء کو معلوم کرنے کے لئے اس کی مشیت کا ظرف ہونا ضروری ہے چنانچہ سورۃ دہر میں اس نے کچھ ہستیوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے ۔ ما تشاؤن الا ان یشاء اللہ (دہر) تم چاہتے ہی نہیں یا چاہ ہو گے ہی نہیں مگر جب تک اللہ نہ چاہے ۔ گویا ان کا وجود محل مشیتِ پروردگار ہے ۔ وہی اسرار و رموزِ خالق سے آشنا ہیں ۔ لہٰذا عربی زبان دانی کے علاوہ ظرف مشیتِ ایزدی ہونا بھی ضروری ہے ۔

عوام الناس کا تعارف کراتے ہوئے پروردگار نے ارشاد فرمایا ۔ ما اوتیتم من العلم الا قلیلا (بنی اسرائیل ۸۵) تمہیں صرف قلیل علم عطا کیا گیا ہے ۔ یہ قلیل علم والی مخلوق ہواؤں میں پرواز کر رہی ہے اور علم کی بدولت کیا کیا کرشمے دکھاتی پھر رہی ہے تو جنہیں کلی علم دے رکھا ہے انہیں کیا کمالات

حاصل ہوں گے۔

ولو انا قرآناً سیرت بہ الجبال او قطعت بہ الارض او کلم بہ الموتی بل للہ الامر جمیعاً (الرعد ۳۳) حامل قرآن ہستی پہاڑوں کو حرکت میں لاسکتی ہے۔ آنِ واحد میں مشرق سے مغرب، فرش سے عرش تک پہنچ سکتی ہے۔ مردوں کو زندہ کرا کے باتیں کرا سکتی ہے۔ صاحبانِ خدا اسی کی بدولت کائنات میں تصرف کرتے ہیں۔ اسی کے ذریعہ ولایت مطلقہ کے درجہ پر فائز ہوتے ہیں۔ تغیراتِ نظام عالم الہی کا ادنیٰ معجزہ ہے۔ حضرت سلیمان کے وزیر آصف برخیا علم من الکتاب یعنی تھوڑے سے علم لدنی کے حامل تھے اسی کی بدولت انہوں نے حضرت سلیمان کی فرمائش پر تختِ بلقیس طرفۃ العین میں لا کر سامنے پیش کر دیا تھا حالانکہ وہ تخت سینکڑوں میل کی مسافت پر تھا۔ اسی واقعہ سے اندازہ لگایا جائے کہ "من عندہٗ علم الکتاب" ہستی کی قدرت کیا ہو گی۔ جس کو پوری کتاب کا علم عطا کر رکھا ہے۔ یہی صاحبانِ اعجاز ہستیاں معجزۂ قرآن کی حقیقت سے آگاہ ہوتی ہیں نہ کہ عوام الناس۔

قرآن فہمی کے لئے مخلوق کو ہدایت

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (النحل ۴۲) یہ آیت خود بتاتی ہے کہ قرآن کو سب نہیں جانتے۔ ان میں انجان لوگ بھی ہیں یہ لا تعلمون کے مصداق نہ جاننے والے کون ہیں۔ واللہ اخرجکم فی بطونِ امہاتکم لا تعلمون شیئاً۔ اللہ نے تمہیں ماں کے پیٹ سے پیدا کیا۔ درآنحالانکہ تم کچھ نہیں جانتے یعنی ورقِ سادہ جاہلِ مطلق پیدا ہوتے ہو۔ یہ اہل الذکر کی طرف رجوع کرنے کا حکم اہلِ زبانِ عربی دان لوگوں کو دیا گیا ہے۔ حکم کی نوعیت کیا ہے؟ یہ نہیں فرمایا کہ اگر نہیں جانتے تو قیاس کر لیا کرو یا کثرتِ رائے سے طے کر لیا کرو یا

لغت اور صرف و نحو کی کتابیں دیکھ لیا کرو ۔ یا کسی عربی دان پروفیسر یا مفسّر کی تفسیر ملاحظہ کر لیا کرو بلکہ اہل الذکر سے پوچھا کرو ۔ یہ اہل الذکر کون ہیں ؟ آیت خود بتاتی ہے بشرطیکہ تدبر سے کام لیا جائے ۔ پوچھنے پر کوئی پابندی نہیں کی کہ فلاں بات پوچھی جائے اور فلاں نہ پوچھی جائے بلکہ جو کچھ بھی نہیں جانتے اہل الذکر سے پوچھو ۔ لہٰذا جن سے پوچھنے کی ہدایت کی گئی ہے وہ وہی ہو سکتے ہیں جنہیں سب چیزوں کا علم عطا کر رکھا ہو ۔ مادر زاد جاہل لوگوں کو حکم ہے کہ اپنی جہالت کو دور کرنے کے لئے علیم ہستی کی طرف رجوع کریں جو فطرتاً علم ساتھ لے کر آتے وہ کبھی یہ نہیں کہے گا کہ میں نہیں جانتا ۔ چنانچہ زمانہ رسالت میں اسی ہدایت پر عمل ہوتا رہا ۔ منهم من يستمع اليك حتّٰى اذا خرجوا من عندك قالوا للذين اوتوا العلم ما ذا قال انفا ۔ اے میرے حبیب تیرے گرد و پیش بیٹھنے والوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو توجہ سے تیری بات سنتے ہیں لیکن جب باہر نکلتے ہیں تو مصداق اولوا العلم سے دریافت کرتے ہیں کہ ابھی ابھی رسولؐ خدا نے کیا فرمایا تھا (انعام ۲۵)

حضرت علی علیہ السّلام بار بار اسی فاسئلوا اهل الذكر پر روشنی ڈالنے کے لئے فرماتے رہے ۔ سلونی سلونی عما شئتم قبل ان تفقدونی اعلم بطرق السموات من طرق الارض ۔ پوچھ لو مجھ سے ، پوچھ لو مجھ سے جو کچھ بھی چاہو بیشتر اس کے کہ میں نہ رہوں کیونکہ میں بے شک آسمان کے راستوں کو زمین کے راستوں سے بہتر جانتا ہوں یعنی ارض و سما کی وہ باتیں مجھے معلوم ہیں جو تمہارے نزدیک غائب کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ اسی ہدایت کو بالفاظ دیگر مندرجہ ذیل آیت میں پیش کیا گیا ہے ۔

ليس البرّ بان تاتوا البيوت من ظهورها ولكن البرّ من

تقیٰ واتوا البیوت من ابوابہا واتقو اللہ لعلکم تفلحون (البقرہ ۱۸۹)

اس آیت میں دروازوں کے راستے گھروں کے اندر داخل ہونے کو نیکی اور تقویٰ قرار دیا گیا ہے یعنی نیک اور متقی وہی لوگ ہیں جو دروازے کے راستے گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ وہی فلاح پانے کے مستحق ہیں لیکن جو لوگ دروازہ چھوڑ کر پس پُشت سے داخل ہوں وہ نہ نیک ہیں نہ متقی نہ وہ فلاح پا سکتے ہیں۔ یہ کتاب ھدی للمتقین صرف ایسے ہی متقی لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔

تعارف نبوی ص

اسی لئے سرکار رسالت ص نے ارشاد فرمایا۔ انا مدینۃ العلم وعلیٌ بابہا من اراد العلم فلیات الباب۔ میں علم کا شہر ہوں علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ علم حاصل کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ دروازہ پر آئے۔

انا دار الحکمت وعلیٌ بابہا۔ میں حکمت الٰہی کا گھر ہوں، علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ غرض متقی وہی ہیں جو امام متقین در مدینۃ العلم حضرت علیؑ کی طرف رجوع کریں۔ تعاونوا علی البر والتقویٰ۔ بصیغہ امر حکم دیا گیا ہے کہ برّ و تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ گھروں میں خود بھی دروازہ کے راستے سے آؤ اور دوسروں کو بھی یہی تلقین کرو۔ کتاب کی تعلیمات حاصل کرنے کے لئے وارثان کتاب کی طرف رجوع کرو۔ ابن حجر صواعق محرقہ میں رقمطراز ہیں کہ:۔

سرکار دو عالم نے ایام مرض الموت میں صحابہ کے سامنے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ ھذا علیٌ مع القرآن والقرآن مع علی لا یفترقان حتی یردا علی الحوض الکوثر۔ یہ علیؑ قرآن کیساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ۔ دونوں آپس میں جدا نہیں ہوں گے تاوقتیکہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد نہ ہوں۔ نیز فرمایا حضرت علیؑ قرآن کی تاویل پر اس طرح جنگ کریں گے جس طرح میں نے اس کی

تنزیل پر جنگ کی ہے۔ بالفاظ دیگر علیؑ کے راسخ فی العلم ہونے کا اعلان فرمایا کیونکہ تاویل قرآن راسخ فی العلم کے سوائے کوئی نہیں جانتا۔

انا و علیٌ من نور واحد   علی مِنی وانا منہ

انا و علیٌ من شجرۃ واحدۃ   والناس من الشجار مشتی

ایسی احادیث مطلع فرماتی ہیں کہ علیؑ کا ظرفِ استعداد رسالتمآبؐ کے ظرف کے لگ بھگ ہے۔ خود حضرت علیؑ نے بھی اعلان فرمایا کہ تمام قرآن کا خلاصہ بسم اللہ میں ہے اس کا خلاصہ بائے بسم اللہ میں ہے۔ اس کا خلاصہ نقطہ بائے بسم اللہ میں ہے اور انا نقطۃ تحت الباء۔ اور وہ نقطہ میں ہوں۔ اسی کو علامہ اقبالؔ نے نظم میں کہا ہے

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر   معنیٔ ذبحِ عظیم آمد پسر

نیز فرمایا لو کشف الغطا

اگر پردے اٹھا بھی دیئے جائیں تو میرے یقین میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ اگر مسندِ قضا بچھا دی جائے تو اہلِ تورات کو تورات سے، اہلِ زبور کو زبور سے، اہلِ انجیل کو انجیل سے اور اہلِ قرآن کو قرآن سے فیصلے سُناتا رہوں گا۔

عالم علم لدنی شہسوار لو کشف   ناصر دیں، نفسِ پیغمبر، امام المتقین

قرآن کے خطرناک پہلو کا انسداد

شاید یہ خیال پیدا ہو کہ یہ قرآن اچھی خاصی چیستان ہے آخر یہ نازل کاہے کے لئے کیا گیا؟ ہر دُنیاوی علم محدود ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کے لئے فطرتاً ایک مُعلّم کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن مجید ماسوا اللہ کے حقائق پر حاوی ہے اور مخلوقات کی ضروریات تمدن کا قیامت تک کے لئے کفیل ہو کر آیا ہے۔ لہٰذا ایسی کتاب کے لئے معلم کا وجود بدرجہ اولیٰ ضروری ہے۔ چونکہ کتاب ربّانی ہے اس لئے

اس کا معلّم بھی ربّانی ہونا چاہیئے۔ ایسا معلّم کہ آفتاب کا مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہونا تو ممکن ہے لیکن اس معلّم سے غلطی کا ہونا ناممکن۔ کیونکہ ایسے معلم کے بغیر دین کی حفاظت ہو ہی نہیں سکتی۔ ایسے ہی ربّانی معلّموں کا تعارف کرانے کے لئے سرورِ عالم نے ارشاد فرمایا انی تارکٌ فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی فان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی ابدا انھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔

میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب دوسری میرے اہلبیت۔ اگر تم ان دونوں سے تمسک رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گی تاوقتیکہ میرے پاس حوض کوثر پہ وارد نہ ہوں۔

یہ حدیث معجزۂ رسالت ہے جس میں ضرورت معلّم، وجود معلّم، حقیقتِ معلّم اور حقیقت قرآن سب کو یکجا بیان کر دیا ہے۔ اس میں لفظِ قرآن نہیں فرمایا بلکہ کتاب اللہ ساتھ ہی ساتھ وارثانِ کتاب اللہ کا تعارف کرایا۔ عترتی اہل بیتی کے الفاظ بطور بدل استعمال فرمائے۔ یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ رہیں گی۔ ان میں افتراق فی الصفات نہ ہوگا یعنی دونوں کا حکم ہمیشہ ایک ہوا کرے گا۔ دونوں کا وجود تاقیامت رہے گا۔

لن تضلو بعدی کے الفاظ سے رسالتمآبؐ نے بتا دیا کہ اگر قرآن کے یضلوبہ کثیرا کے خطرے سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو اہل بیت سے منشائے ربانی معلوم کرو کیونکہ غلطی دو طرح سے ہوتی ہے دانستہ یا نادانستہ۔ ہوس نفسانی کی وجہ سے یا جہالت کے سبب۔ ان کثیرا لیضلون با ھوا ئھم بغیر علم (پارہ ہشتم) بے شک اکثر لوگ لاعلمی اور خواہشات نفسانیہ کے ہاتھوں گمراہ ہو جاتے ہیں۔ میری عترت علم لدنی پر فائز ہوتی ہے جاہل پیدا نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں وہ ظرف مشیت

پروردگار ہوتی ہے ہوا و ہوس نفسانی میں مبتلا نہیں ہوتی۔ اس لئے یہاں غلطی کا احتمال ہی نہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تحفۂ اثنا عشریہ میں تسلیم کیا ہے کہ جو مذہب طریقۂ ثقلین (قرآن و اہلبیتؑ) کے خلاف ہو وہ سراسر گمراہی ہے۔

موجودہ گمراہی کا سبب اور حسینی شاہکار

ہادیٔ کونین نے اپنی رحلت سے چند یوم قبل اسی ربانی تعلیم کو قلمبند کرنے کے لئے سامانِ کتابت طلب فرمایا مگر حاضرین بزم حائل ہو گئے اور کہہ دیا — "حسبنا کتاب اللہ" ہمارے لئے کتابِ خدا یعنی قرآن کافی ہے۔ جب نبی ثبان کافی نہیں تو عربی کتاب کیسے کافی ہو سکتی ہے۔ البتہ کفیٰ باللہِ شہیداً بینی وبینکم ومن عندہٗ علم الکتاب ۔ حسبِ ارشاد پروردگار من عندہ علم الکتاب کی مصداق ہستی کافی ہے اور قرآن بھی اس ہستی کے لئے کافی ہے۔ اگر محض کتاب ہادی ہو سکتی تو بعثتِ انبیا بیکار ہے۔ اگر کتاب سے ہر کس و ناکس رہنمائی حاصل کر سکتا ہے تو رجوع الی الرسول کی ضرورت ہی نہیں۔ نہ رسول کے بعد کسی اولی الامر کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ رسولؐ کریم نے تو پکار پکار کر ثقلین کو مرجع قرار دیا اور افراد اہلبیتؑ اعلان فرماتے رہے کہ ہم وارثانِ کتاب ہیں، ہم راسخ فی العلم ہیں، ہم اوتو العلم اور من عندہ علم الکتاب کے مصداق ہیں، ہم علم لدنی کے حامل ہیں، ہم اہل الذکر ہیں، ہم سے سب باتیں دریافت کی جا سکتی ہیں۔ عالمِ اسلام میں سوائے ان ہستیوں کے کسی اور نے اپنا تعارف اس انداز سے نہیں کرایا۔ حسبنا کتاب اللہ کے ذریعے انہی وارثانِ کتاب اللہ سے بغاوت اور ردگردانی کا سنگِ بنیاد

رکھ دیا گیا اور معلم عالمین حبیبِ خدا کو ہذیان کی نسبت دے کر عوام الناس کے پہلو بہ پہلو لا کھڑا کر دیا تاکہ بعد میں کوئی وصیت نامہ تحریر نہ کرایا جا سکے۔

مولوی الطاف حسین حالی مرحوم فرماتے ہیں۔

کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا — مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا — کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں — کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں

گمراہی کا سدِ باب کرنے کے لئے ہادیٔ عالم نے لن تضلّوا بعدی کے الفاظ کے ساتھ ثقلین کی پیروی کا نسخہ تجویز فرمایا تھا جس کو حسبنا کتاب اللہ کے الفاظ اور ہذیان کی نسبت کے ساتھ بیکار کر دیا گیا۔ نتیجہ کیا ہوا۔ قرآن کا خطرناک پہلو (یضل بہ کثیرا) اپنی جگہ پر قائم رہا۔ اس قدر گمراہی پھیلی کہ مسلمان فرقہ فرقہ ہو کر رہ گئے اور کوئی مسلمان سنجیدگی کے ساتھ آج اس گستاخی پر غور بھی نہیں کرتا بلکہ اس نازیبا حرکت کو سراہا جاتا ہے۔ ایسے آنے والے تاریک دور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے رسولِ خدا فرمایا کرتے تھے۔ حسینٌ منی وانا من الحسینؑ۔ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ حسینؑ ہی میرا صحیح تعارف کرائے گا اور مجھے جو ہذیان کی نسبت دی گئی ہے اس کا ازالہ کرے گا۔ چنانچہ امام حسین علیہ السلام کے سرِ مبارک نے نوکِ سناں پر مختلف جگہ آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت کر کے واضح کر دیا کہ اے گمراہی میں مبتلا لوگو! میرے نانا مصداق ما ینطق عن الھویٰ کو ہذیان کی نسبت دینے والو، ہمیں اپنے پر قیاس نہ کرو۔ میرے نانا جب ثقلین کی پیروی کے ارشاد کو قلم بند کرانا چاہتے تھے تو عالمِ حیات میں تھے۔ میں سر بریدہ سے قرآن کی تلاوت کر رہا ہوں تاکہ تمہارے ذہن نشین ہو جائے کہ سر و تن کی جدائی کے بعد بھی ہمارا کلام قرآن ہوتا ہے ہذیان نہیں ہوتا۔

لہذا صاحب بصیرت کے لئے خطبہ السادس بقول امام متقیان سرکار امیر المومنین علیہ السلام جو کہ کوکب دری میں سرکار سلطان المتکلمین وسید المحققین علامہ سید محمد سبطین صاحب قبلہ سرسوی اعلیٰ اللہ مقامہ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے مودبانہ درج ذیل ہیں۔

السادس

"ومن خطبة لهٗ قال	"ایک اور خطبے کے درمیان میں فرماتے ہیں:۔
انا عندی مفاتیح الغیب لا یعلمها بعد رسول اللہ الا انا ۔ انا ذو القرنین المذکور فی الصحف الاولیٰ۔ انا صاحب خاتم سلیمان ۔ انا ولی الحسنات انا صاحب الصراط والموقف انا قاسم الجنة والنار انا آدم الاول ۔ انا نوح الاول انا ایة الجبار انا حقیقة الاسرار انا مورق الاشجار انا مولع الثمار انا مفجر العیون ۔ انا مجری الانہار انا خازن العلم انا طور الحلم انا امیر المومنین انا عین الیقین انا حجة اللہ فی السموات الارض انا الواجفة انا الصاعقة انا الصیحة بالحق انا الساعة لمن کذب بها	کہ میرے پاس علم غیب کی کنجیاں ہیں جن کو بعد رسول اللہ سوائے میرے اور کوئی نہیں جانتا (نائب رسول ہی ان مفاتیح غیب کا بعد رسول وارث ہوتا ہے) میں ہی وہ ذو القرنین ہوں جو قدیم صحف انبیاء میں مذکور ہے۔ میں سلیمان کی انگوٹھی والا ہوں (میرا ہی نام اس پر کندہ ہے یا میں نے ہی بحکم خدا ان کو پہنچائی ہے) میں نیکیوں کا والی و مالک ہوں۔ میں پل صراط اور موقف پر سے گزارنے والا ہوں اور نگرانی کرنے والا ہوں۔ میں قسیم جنت و نار ہوں میں ہی آدم اول ہوں۔ میں ہی نوح اول ہوں میں خدائے جبار کی آیت اور اس کے اسرار کی حقیقت ہوں۔ میں درختوں کو سرسبز کرنے والا اور پھلوں کو پکانے والا ہوں۔ میں چشموں کو نکالنے اور دریاؤں کو جاری کرنے والا ہوں۔ میں خزینہ دار

انا ذالك الكتب لاريب فيه انا
الاسماء الحسنىٰ التى امر الله ان
يدعى بها انا ذالك النور الذى
اقتبس موسىٰ منه الهدىٰ
انا صاحب الصور انا مخرج من
فى القبور انا صاحب يوم النشور
انا صاحب نوح و منجيه انا صاحب
ايوّب المبتلىٰ و شافيه انا اقمت
السمٰوٰت با مر ربّى انا صاحب ابراهيم
انا سر الكليم۔ انا الناظر فى الملكوت
و انا امر الحى الذى لا يموت انا ولى الحق
على سائر الخلق انا الذى لا يبدل
القول لدىّ وحساب الخلق الىّ
انا المفوض الىّ امر الخلائق انا
خليفة الاله الخالق انا سر الله
فى بلاده و حجة على عباده۔ انا
امر الله والروح كما قال يسئلونك
عن الروح قل الروح من امر ربى
انا ارسيت الجبال الشامخات
و فجرت العيون الجاريات۔
انا غارس الاشجار و مخرج انوار
الثمار انا مقدر الاقوات۔ انا

علم اور کوہ علم ہوں۔ میں امیر المومنین ہوں اور میں
عین الیقین ہوں اور میں تمام زمینوں آسمانوں
میں حجت خدا ہوں۔ میں ہی زلزلہ ہوں میں برق
عذابِ خدا ہوں۔ میں ہی صیحہ بالحق ہوں یوم یسمعون
الصیحۃ بالحق ذالک اور خروج ۔ وقت خروج
میری ہی چیخ سُنائی دے گی)۔ میں ہی ساعت ہوں
اس کے لئے جو اس کی تکذیب کرتا ہے میں کتاب
لاریب فیہ ہوں۔ کتاب ناطق میرا ہی وجود ہے۔ میں
ہی وہ اسماء اللہ ہوں جن کے ساتھ اس نے
اپنے کو پکارنے اور دُعا کرنے کا حکم دیا ہے میں
ہی وہ شمع نور ہوں جس سے موسیٰ نے نور ہدایت
اقتباس کیا تھا۔ کوہ طور پہ پہلے میرا ہی نور چمکا
دیکھا تھا۔ میں ہی صاحبِ صور ہوں۔ میرے
امر سے ہی صور پھونکا جائے گا۔ میں مردوں کو
قبروں سے نکالوں گا۔ میں روز نشور کا والی ہوں
میں نوح کا مصاحب اور ان کی کشتی کو نجات
دینے والا ہوں۔ میں ہی مصاحب ہوں ایوبؑ
کا جن کی آزمائش کی گئی تھی اور میں نے ان کو شفا
دلائی تھی۔ میں نے حکم خدا سے آسمانوں کو قائم کیا۔
معلول اوّل علت ثانویہ ہے۔ میں ہی ابراہیمؑ کا
ساتھی اور کلیم کا بھید ہوں۔ میں ملکوت زمین و
آسمان کو دیکھنے والا ہوں۔ میں اسی حی قیوم کا امر ہوں۔

منشر الاموات انا منزل القطر
انا منور الشمس والقمر والنجوم
انا قیم القیامة انا مقیم الساعة
انا الواجب له من الله الطاعة انا
حی لا اموات واذا امت لم امت انا سر الله
لمکنون المخزون انا العالم
بما کان وبما یکون انا صلوٰة المؤمنین
وصیامهم انا مولاهم وامامهم انا
صاحب الحشر الاول والاخر انا صاحب
المناقب والمفاخر انا صاحب الکواکب
انا عذاب الله الواصب انا مهلک
الجبابرة الاول انا مزیل الدول
انا صاحب الزلازل والرجف انا
صاحب الکسوف وانا مدمر
الفراعنة بسیفی هذا انا الذی
اقامنی الله فی الاظلة ودعاهم
الی طاعتی فلما ظهرت انکروا فقال
سبحانه فلما جاءهم ما عرفوا
کفروا به ـ انا نور الانوار انا حامل
العرش مع الابرار انا صاحب الکتب
السالفة ـ انا باب الله الذی لا یفتح

وانما امره اذا اراد شیئا ان یقول له کن
فیکون میں ساری مخلوق پر ولی برحق ہوں میں
ہی ہوں جس کے پاس بات نہیں بدلتی۔ اصل
حقیقت مجھ کو پہنچتی ہے اور مخلوق کا حساب
میرے ہی ذمہ ہے خلائق کے معاملات میرے
ہی سپرد کئے گئے ہیں کہ مظہر کل ہوں۔ میں اس
معبود خالق کون و مکان کا نائب ہوں اسلئے
سارے امور انجام دیتا ہوں) میں اس کی بادشاہت
میں اس کا راز مخزون ہوں اور اس کے بندوں پر
اس کی حجت میں ہی امر اللہ اور میں ہی روح عالم
ہوں۔ میں ہی روح اللہ ہوں جس کی طرف اشارہ
ہے کہ اے محمدؐ تجھ سے روح کی بابت پوچھتے ہیں
کہدو کہ وہ امر رب ہے۔ میں نے محکم پہاڑوں کو
جمایا ہے اور بہنے والے چشموں کو بہایا ہے۔
میں درختوں کو لگانے والا اور پھلوں کے خوشے
نکالنے والا ہوں۔ میں روزیوں کا اندازہ کرنے والا
اور مردوں کو اٹھانے والا ہوں۔ میں بارش نازل
کرنے والا اور شمس و قمر و نجوم کو روشن کرنیوالا
ہوں۔ سب میرے ہی نور سے روشن ہیں۔ میں
قیامت کا سردار ہوں اور میں ساعت کو قائم کرنے
والا۔ میں ہی وہ ہوں جس کے لئے خدا کی اطاعت

لمن کذب بہا ولا یذوق الجنۃ
انا الذی تزحما لملائکۃ علی
فرشی وتعرفنی عباداقالیم
الدنیا۔ انا الذی ردت لی شمس
مرتین وسلمت علی کرتین وصلیت
مع الرسول الی القبلتین وبایعت
البیعتین۔ انا صاحب بدر وحنین
انا الطور انا الکتاب المسطور انا
البحر المسجود۔ انا البیت المحمود
انا الذی دعا اللہ الخلائق الی طاعتی
فکفرت واصرت ومسخت واجابت
امۃ فنجت وازلفت وانا الذی بیدی
مفاتیح الجنان ومقالید النیران
انا مع الرسول اللہ فی الارض وفی
السماء مع المسیح حیث لا روح
یتحرک ولا نفس یتنفس غیری
انا صاحب القرون الاولی انا صامت
ومحمد ناطق۔ انا جاوزت موسیٰ
فی البحر واغرقت فرعون وجنودہ
انا اعلم ھماھم البھائم ومنطق
الطیر انا الذی اجوز السموات

لازم ہے۔ ہر شے میری اطاعت کرتی ہے اور ہر
انسان میری اطاعت پر مامور ہے۔ میں وہ زندہ
ہوں جسے موت طبعی نہیں۔ (انا وجہ اللہ الباقی
بعد فناء کل شیءٍ وانہم لا یموتون
الا باختیارھم) (یہ معصوم اپنے
ارادے اور اختیار سے مرتے ہیں) میں خدا کا
راز پوشیدہ و مخفی ہوں اور گزشتہ اور آئندہ
کی سب باتوں کا جاننے والا ہوں۔ سب اس نے
مجھے بتلا دیتے ہیں۔ میں ہی مومنین کی صلوٰۃ و صیام
ہوں۔ میری ولایت اصل عبادت ہے۔ میں ہی
نشر اوّل اور آخر کا والی ہوں میں صاحب
مناقب و مفاخر ہوں اور میں ہی صاحب کواکب
ہوں۔ ستارے میرے لیے مسخر ہیں اور میرے لئے
زمین پر نازل ہوتے ہیں) میں خدا کا سخت
عذاب ہوں اور میں دولت مندوں کو فنا
کرنے والا ہوں اور میں زلزلوں اور جھٹکوں
والا ہوں۔ میں کسوف و خسوف والا ہوں۔
میں اپنی اس تلوار سے فرعونوں کو ہلاک کرنے
والا ہوں۔ میں ہی وہ ہوں جس کو خدا نے ظلال
نور جلال و جمال میں کھڑا کیا اور سب کو
میری اطاعت کی دعوت دی۔ پس جب اس

والارضين السبع في طرفة عين
انا المتكلم على لسان عيسىٰ في المهد
انا الذي يصلي عيسىٰ خلفي انا الذي
انقلب في الصور كيف يشآء الله۔
انا مصباح الهدىٰ. انا مفتاح
التقى انا الاخرة والاولىٰ انا الذي
ادى اعمال العباد انا خازن
السمٰوٰت والارض بامر رب العٰلمين
انا قائم بالقسط انا ديان الدين۔
انا الذي لا يقبل الاعمال الا بولايتي
ولا تنفع الحسنات الا بحبي انا العالم
بمدار الفلك الدوار وانا صاحب
المكيال لقطرات الامطار ورمل
القفار باذن الملك الجبار الا انا الذي
اقتل مرتين واحيي مرتين واظهر
كيف انا محصي الخلائق۔
وان اكثروا وانا محاسبهم وان عظموا
انا الذي عندي الف كتاب من كتب
الانبياء انا الذي جحد ولايتي الفة
امة فمسخوا انا المذكور في سالف
الزمان والخارج في اخر الزمان انا

اطاعت کے ظہور کا وقت آیا تو انکار کر بیٹھے۔
اس طرف اشارہ کر کے خدا فرماتا ہے۔ پس
جب وہ آیا جس کو انہوں نے پہچانا تھا تو
اس کا انکار کرنے لگے۔ میں نوروں کا نور اور ابرار
حاملین عرش میں شامل۔ میں قدیم کتابوں والا
اور ان کا عالم اور مفسر ہوں۔ میں خدا کے
علم و معرفت کا وہ دروازہ ہوں جو اس کے لئے نہیں
کھولا جاتا جو اس کی تکذیب کرے اور وہ باغ
بہشت کا ذائقہ نہ چکھے گا۔ میں ہی وہ ہوں جس کے
فرش پر یا بستر پر فرشتے ازدحام کرتے ہیں اور
مجھے دنیا کی ساری اقلیموں کے رہنے والے پہچانتے
ہیں۔ میرے ہی واسطے دو دفعہ آفتاب لوٹا گیا ہے
اور اس نے مجھ پر دو مرتبہ سلام کیا ہے اور میں نے
ہی رسول کے ساتھ دونوں قبلوں بیت المقدس
اور کعبہ کی طرف نماز پڑھی ہے۔ میں نے رسولؐ سے
دو دفعہ بیعت کی ہے۔ میں فاتح جنگ و بدر و
حنین ہوں۔ میں کوہ طور علم اور کتاب مسطور معارف
ہوں اور میں بحر مسجور حقائق۔ میں ہی بیت معمور
روحانی ہوں اور میری اطاعت کی خدا نے ساری
مخلوق کو دعوت دی ہے۔ پس ایک امت نے
اس سے انکار کیا اور پیچھے ہٹی وہ مسخ ہو گئی اور

قاصم الجبادین فی الغابرین ومخزجهم
ومعذبهم فی الاخرین یعوق و
یغوث ونسراً عذاباً شدیداً
انا المتکلم بکل لسان انا الشاهد
لاعمال الخلائق فی المشارق والمغارب
انا محمد و محمد انا المعنی الذی
لایقع علیه اسم ولا شبه انا
باب حطة ولا حول ولا قوة الا
بالله العلی العظیم۔

ایک نے قبول کیا اس نے نجات پائی اور وہ مقرب ہوئی۔ میرے ہی ہاتھ میں جنت اور دوزخ کی کنجیاں ہیں۔ میں زمین پر رسول اللہ کے ساتھ ہوں اور آسمانوں میں مسیح کے ساتھ جہاں نہ میرے سوا کوئی روح حرکت کرتی ہے اور نہ کوئی جان سانس لیتی ہے۔ میں ہی پہلی امتوں کا مصاحب ہوں۔ میں صامت ہوں اور محمدؐ ناطق۔ میں نے موسیٰ کو نیل سے گزارا اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کیا۔ میں چوپایوں کی آواز اور پرندوں کی بولی جانتا ہوں میں ہی وہ ہوں جو چشم زدن میں ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کو طے کرلیتا ہے۔ میں ہی ہوں کہ گہوارے میں اپنے اعجاز ولایت سے زبان عیسیٰ پر بول رہا تھا۔ میں ہی وہ ہوں جس کے پیچھے عیسیٰ نماز پڑھیں گے (امام مہدی میرا جز و میرا نور ہے اور ہم سب ایک ہیں) جس طرح چاہوں مختلف صورتیں اختیار کرلیتا ہوں۔ میں ہدایت کی شمع اور پرہیزگاری کی کنجی ہوں۔ میں ہی آخرت اور اولیٰ ہوں۔ دنیا و آخرت سب میرے طفیل سے ہے۔ میں ہی وہ ہوں کہ تمام بندوں کے اعمال کو دیکھتا ہوں کہ بعد رسول شہید علی الناس ہوں۔ میں خدائے رب العالمین کے حکم سے زمین و آسمان کا خزانہ دار ہوں۔ میں عدل کو قائم کرنے والا اور حاکم روز جزا ہوں۔ میں ہی وہ ہوں جس کی محبت و ولایت بغیر بندوں کے اعمال قبول نہیں ہوتے اور میری ولایت بغیر کسی کی نیکیاں کام نہیں آتیں۔ میں فلک دوّار کے مدار کو جاننے والا ہوں۔ میں ہی خدائے جبّار کے اذن سے بارش کے قطروں اور ریگ صحرا کی میزان رکھتا ہوں۔ آگاہ رہو کہ میں ہی وہ ہوں جو دو دفعہ قتل کیا جاؤں گا۔ ایک دفعہ دنیا میں اور ایک دفعہ عالم رجعت میں اور دو مرتبہ زندہ کیا جاؤں گا اور جس طرح چاہوں گا

ظاہر ہوں گا اور میں ساری مخلوق کا احصلو رکھنے والا ہوں اگر چہ وہ بیشمار ہیں اور میں ہی ان کا حساب لینے والا ہوں اگر چہ وہ کیسے ہی بزرگ ہوں۔ میرے پاس ہزار کتب انبیا ہیں۔ میری ولایت کا ہزار اُمتوں نے انکار کیا اور سب مسخ ہوگئیں۔ سابقہ زمانوں میں میرا ہی ذکر ہوتا رہا ہے اور میں آخرالزمان میں خروج کرنے والا ہوں اور آنے والی نسلوں کے جباروں کی گردنیں توڑنے والا ہوں اور آخرین کو یعوق ویعوث و نسر کے ساتھ سخت عذاب دینے والا ہوں۔ میں ہر زبان میں کلام کرنے والا اور تمام مشارق و مغارب میں اعمال خلائق کا مشاہدہ کرنے والا ہوں۔ میں محمدؐ ہوں اور محمدؐ میں ہوں (دونوں کی حقیقت نورانی رُوحانی ایک ہے بلکہ کل معصومین ایک ہیں) میں ہی وہ ہوں جس پر کوئی خاص نام اور شبہ واقع نہیں ہوتا کل صفات جلال و جمال الہٰی کا مظہر ہوں میں ہی باب حطّہ ہوں جس کے لئے حکم ہے وادخلوا الباب سجداً ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم و صلّی اللہ علیہ وعلی الہٖ الطیبین......

اس میں سب سے اہم فقرہ جو ضعفاً پر گراں ہو سکتا ہے انا حی لا یموت ہے لیکن اصول اعتقادات مسلمہ مذکرہ پر اس کی تاویل بھی ظاہر ہے۔ حی تو ہر ایک زندہ ہے۔ لا یموت کا مطلب وہی حقیقتہ وجہ اللہ ہے۔ وجہ اللہ بعد فنا کل شیٔ وبعد ہلاک شیٔ وبعد صعق کل شیٔ بھی باقی ہے اور موت طبعی سے یہ منزہ ہیں اور مظہر الباقی ہیں ظاہری موت ان کے لیے بھی ہے۔ یعنی دُنیا سے انتقال ظاہری لیکن بطلان اثر حیات ان سے دور ہے اور اس موت ظاہری کو بھی اپنے اختیار وارادے سے قبول کرتے ہیں اور ملک الموت ان پر قادر نہیں بلکہ یہ ملک الموت پر ولی متصرف ہیں اور اسی واسطے اپنے کو موت الممیت بھی فرماتے ہیں۔ یہ مظہر الباقی ہیں۔ اگر یہ معنی بھی ضعف ایمانی برداشت نہیں کر سکتا تو اس کی تاویل اس فقرے سے کی جا سکتی ہے جو اس خطبہ کے صدر میں مذکور ہے یعنی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت کا مطلب انا حی لا یموت سے

انا امر الحی الذی لا یموت ہے میں خدائے حی قیوم کا امر ہوں اور ان کے امراللہ ہونے میں کسی کو شبہ نہیں ہوسکتا۔ فتامل فیہ یہ بھی ہوسکتا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ آپ کا اشارہ اس سے شہادت کی طرف ہوسکتا ہے کہ میں شہید راہِ خدا ہوں جو کبھی مرتا نہیں گویا تفسیر لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ اموا تا بل احیآ عند ربھم یرزقون۔ بس ان کے زندۂ جاوید ہونے میں کوئی شک نہیں۔

ان اور ان جیسے تمام خطبات کی مکمل شرح ایک ضخیم کتاب اور طویل مدت کی محتاج ہے اور پھر بھی ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ ان اسرار کی شرح کا حق ادا کرسکیں۔ یہی وہ امور ہیں جن کو مقرب جانتے ہیں۔ یا نبی مرسل یا خاص خاص مومن ممتحن اور بعض سے یہ سب بھی محروم ان کو وہ جانیں یا ان کا بنانے اور دینے والا حتیٰ کہ بعض اشارات اخبار بالغیب بھی ایسے اور ایسی امور خفیہ سے ہیں جن کو یہی بزرگوار جانتے ہیں مثلاً اذا صاح الناعوس۔ الخ وغیرہ وغیرہ جن کی صحت قرآت و تلفظ میں علماء کو اطمینان نہیں ہے۔ یہاں ان کے نقل اور ترجمہ سے صرف مدعا یہ ہے کہ علماء رواۃ پر سے یہ الزام اٹھادیا جائے کہ یہ غلو کے قائل تھے یا ایسے الفاظ کے ناقل جن سے غلو کو احتمال پیدا ہو کیوں کہ ایک فقرے اور لفظ کی کئی کئی تاویلات صحیحہ ہر مذاق اور مرتبہ فہم و علم و ایمان واعتقاد کے موافق ممکن ہیں اور ہرگز ہرگز یہ اور ایسے خطبات غلو پر دال نہیں ہیں اور یہ بھی واضح ہے کہ من حیث المعنی یقیناً تواتر کا حکم رکھتے ہیں یعنی یہ مضامین و مطالب معصومین ؑ سے اکثر رواۃ کے ذریعے منقول ہیں لہٰذا انکار کرنا ضعف ایمان ہی کا نتیجہ ہے اور یہ بھی اہلِ علم و عقل تسلیم کرینگے اور یہ کلام خود بتا رہا ہے کہ انکے سوائے دوسرا انسان ان کے انشا پر قادر ہی نہیں ہوسکتا۔ کلام امام فوق کلام انام ہے۔ کلام خدا کی طرح یہ عام انسانوں کے کلام سے ممتاز ہیں مومنین ان سے اپنے نور ایمانی کو مکمل فرمائیں اور اہلِ قشر اگر کوئی معنی یا تاویل ہماری طرف سے پسند فرمائیں تو دعائے خیر سے یاد فرمائیں ورنہ بجائے انکار یا تکذیب فقرہ یا لفظ کے معنی کو صاحبانِ باطن اور اہلِ معرفت فضلاء سے حل کرائیں۔ تکذیب کی طرف سبقت نہ فرمائیں۔"

ہم علیؑ کو خدا نہیں کہتے!!

یا علیؑ بابُ العلم

رواں جو شانِ علیؑ میں قلم مرا ہوتا
نہ جانے وجد کے عالم میں کیا کہا ہوتا

اُدھر خیال مرا جانبِ فلک اُڑتا
اِدھر قلم نے علیؑ کو خدا لکھا ہوتا

اگر نہ مظہرِ شانِ خدا علیؑ ہوتے
نبیؐ نے کیوں انہیں مشکل کشا کہا ہوتا

عجب نہیں تھا کہ سُن کر عجائباتِ علیؑ
مرا خیال نصیری سے جا ملا ہوتا

اگر نہ واقفِ دستورِ مے کدہ ہوتا
تو مثلِ شافعی ساغر چھلک گیا ہوتا

نہ ایک قطرہ بھی چھلکے نہ ایک قطرہ ہو کم
وگرنہ رند ہے مستوجبِ سزا ہوتا

کروں گا پیش علیؑ کے میں اُن حقائق کو
گواہ جن کا نبیؐ اور ہے خدا ہوتا

مرے قلم کو نجف سے ملی ہے یہ پرواز
وگرنہ زلفِ بُتاں میں اُلجھ گیا ہوتا

کھُلی جو چشمِ بصیرت تو وہ کھُلے اسرار
کہ جن کا شیخِ حرم کو نہیں پتا ہوتا

گیا وہ مُلّا کہ جس کی ہو دوڑ مسجد تک
کہ جس کا حجرے میں ہے تنگ قافیہ ہوتا

خبر امامؑ کی اور ایسے عالمِ دیں کو
کہ جس کے دل میں ہو بُغضِ علیؑ بھرا ہوتا

جو کہہ چکے ہوں فقط حسبنا کتاب اللہ
وہ کورِ چشم! اُنہیں خاک کا پتا ہوتا

مرے امیرؑ کی شان، وہ امیر کیا جانے
کہ جس کا نام ہو بروزنِ ہادیا ہوتا

خبر اُسے بھی اگر کچھ تو تخت و تاج کی تھی
نہ اُس نے دیں کو سیاست بنا دیا ہوتا

صلیب پہنی نہ ہوتی گلے میں وقتِ وفات
امامؑ حق سے نہ وہ بے وفا لڑا ہوتا

مقامِ شانِ امامت لکھا رہے تھے نبیؐ
نبیؐ کے حکم کو ہذیان نہ کہا ہوتا

بتائے شیخ اگر صاحبِ بصیرت ہے
امامؑ اور نبیؐ میں ہے فرق کیا ہوتا

وگرنہ آئے سنے غور سے کلام مرا
بتاؤں میں ہے مقامِ امامؑ کیا ہوتا

نبیؐ نے چاند کیا شق نہیں ہے شک اسمیں
کسی نے شمس بھی واپس بلا لیا ہوتا

نبیؐ نے مردے جلائے علیؑ نے عرض کیا
یہ کام میرے غلاموں سے لے لیا ہوتا

خلیلؑ بیٹے کو لائے منیٰ میں ہے تسلیم
مزا تو جب تھا کہ میدان کربلا ہوتا

علیؑ کے ساتھ جسے چاہو تول کر دیکھو
علیؑ کی شان کا پلڑا ہی جھک رہا ہوتا

نبیؐ کی ایک امامتؑ کی منزلیں بارہ
ہے ایک ایک قدم امتحان کا ہوتا

بڑی کٹھن ہیں امامتؑ کی منزلیں ادوست
ہر اک امام کا سر ہے کٹا ہوا ہوتا

اٹھانا پڑتی ہے میت جوان بیٹے کی
جنازہ ہاتھ پہ ہے شیر خوار کا ہوتا

کٹانا پڑتا ہے سجدے میں سر امامت میں
کسی نبیؐ کو یہ حصہ نہیں ملا ہوتا

شروع وہاں سے امامتؑ کی شان ہوتی ہے
جہاں ہے ختم نبوت کا سلسلہ ہوتا

یہ عکس مہرِ نبوتؐ کے آئینے میں دیکھ
کہ کس فلک پہ قدم ہے امام کا ہوتا

اے شیخ آ تجھے رازِ دروں بھی دکھلاؤں
بتاؤں تجھ کو میں یہ رازِ حق ہے کیا ہوتا

یہاں نہیں چلو کعبے میں چل کے دیکھیں گے
امامؑ اور نبیؐ میں مقابلہ ہوتا

ادھر ہیں فاطمہؑ بنتِ اسد، ادھر مریمؑ
خدا کے گھر میں ہے دونوں کا فیصلہ ہوتا

یہ دیکھنا ہے کہ کس کا بنے زچہ خانہ
بلند کس کا ہے کعبے میں مرتبہ ہوتا

ہزار بار دی دستک نبیؐ کی مادر نے
کہاں نصیب اجازت کہ در کھلا ہوتا

ادھر امامؑ کی ماں سے یہ کہہ رہا ہے خداؔ
علیؑ کا گھر ہے نہ کیوں تیرا داخلہ ہوتا

اے فاطمہؑ چلی آؤ جدھر سے تم چاہو
ہے اہلبیتؑ کو گھر بار کا پتا ہوتا

مہک اُٹھے در و دیوار صحنِ کعبہ کے
کہ جیسے شاخ پہ ہو تازہ گُل کھِلا ہوتا

علیؑ کو گود میں لے کر جھُلا رہے ہیں نبیؐ
کہ جیسے قوسِ قزح کا ہو جھولنا ہوتا

ہے آفتابِ امامتؑ نبیؐ کے ہاتھوں پہ
کہ جیسے رحل پہ قرآن ہو کھُلا ہوتا

علیؑ کو دیکھ رہے ہیں نبیؐ، نبیؐ کو علیؑ
جُوں آئینے کے مقابل ہو آئینہ ہوتا

ٹُمک ٹُمک کے زباں یُوں علیؑ نے چوسی ہے
نبیؐ کو پہلے سے جیسے ہو جانتا ہوتا

نبیؐ کی گود میں قرآں سُنا رہا ہے علیؑ
جوان ہو کے یہ بچّہ بتاؤ کیا ہوتا

اے شیخ کلمۂ توحید نامکمل ہے
اگر نہ کعبے میں مولود مرتضےٰؑ ہوتا

برائے سجدۂ لات و منات ہم جاتے
علیؑ نہ کعبے میں آتے تو بُت کدا ہوتا

بتا تو مُہرِ نبوت پہ کون رکھتا قدم
وہی نا، جنس میں جو نورِ مصطفٰےؐ ہوتا

نبیؐ کی مُہرِ نبوتؐ علیؑ کے نقشِ قدم
حضور آپ نے کچھ غور تو کیا ہوتا

بلند یوں ہے امامت نبیؐ کے شانوں پر
کہ جیسے دین کا مینار ہو کھڑا ہوتا

زمیں سے عرش تک حبل المتین ہو جیسے
صراطِ حق کا ہو زینہ سا اک بنا ہوتا

امامؑ اور نبیؐ میں تمیز مُشکل ہے
کہ جیسے نور میں ہو نور مل گیا ہوتا

علیؑ کی شان بڑھانا ہمیں نہیں مقصود
امامؑ کوئی علیؑ سا ہمیں دیا ہوتا

خُدا نے بھیجا ہو اپنا ولی بنا کے جسے
رسُولؐ نے جسے اپنا وصی کہا ہوتا

امامؑ وہ کہ جو نفسِ رسُولؐ کہلاتا
امامؑ وہ جو شریکِ مباہلا ہوتا

امامؑ وہ کہ جو اُستاد ہو ملائک کا
امامؑ وہ جو مددگارِ انبیاؑ ہوتا

امامؑ وہ کہ رکوع میں بھی جس نے سائل کو
بُلا کے تختِ سلیماں دے دیا ہوتا

کہ جس کی ضرب ہو صوم و صلوٰۃ سے افضل
کہ جس کے حکم سے سُورج پلٹ گیا ہوتا

برونِ پردہ جو ملتا تو آدمی ہوتا
درونِ پردہ جو ہوتا تو کبریا ہوتا

جنابِ شیخ کے شبہات دُور ہو جاتے
اے کاش پردۂ معراج اُٹھ گیا ہوتا

تو ٹوکتا ہی رہا ہے اے شیخ رندوں کو
علیؑ کے ہاتھ سے اک جام تو پیا ہوتا

وہ میرا ساقیِ کوثرؑ، وہ میرا شیرِ خداؑ
قسم خدا کی نہ ہوتا تو جانے کیا ہوتا

اگر وہ شیر نہ سوتا نبیؐ کے بستر پہ
تو سوچ لیجیے ہجرت کی رات کیا ہوتا

اگر نبیؐ کسی ڈرپوک کو لِٹا جاتے
تو اُس نے غار کا رستہ بتا دیا ہوتا

اگر علم کسی تاجر کے ہاتھ آجاتا
تو اُس نے دُودھ میں پانی ملا دیا ہوتا

نہ جنگِ خندق و خیبر کو جیت کر آتا
اگر علیؑ کے سوا کوئی دوسرا ہوتا

دلیر کوئی تو ایسا ہمیں دکھا دیجے
کھلونا جس کا ہو بچپن میں اژدھا ہوتا

جنابِ حضرتِ موسیٰؑ کو سانپ ڈس لیتے
اگر نہ حیدرِ کرار کا عصا ہوتا

یہ ایک نُکتہ ہی کافی ہے نکتہ داں کے لیے
جو "ب" کا نُقطہ نہ ہوتا تو "ب" کا کیا ہوتا

بغیر "نقطے" کے پڑھیے جناب بسم اللہ
کلامِ پاک کا آغاز کیا ہے، کیا ہوتا؟

بغیر "نقطے" نبوّت بھی نامکمل تھی
بغیر "ب" کے نبیؐ کا بھی "نی" بنا ہوتا

نہاں ہے نُقطۂ "ب" میں نچوڑ قرآں کا
سمجھتا اس کو، علیؑ کو سمجھ گیا ہوتا

یہی تو نُقطہ ہے اسرارِ کائنات اے دوست
اگر یہ نقطہ نہ ہوتا، نہ کچھ بنا ہوتا

اگر تُو اب بھی نہ سمجھے تجھے خدا سمجھے
اے کاش آنکھ میں تیری نہ موتیا ہوتا

تُو اہلبیتؑ سے پڑھتا اگر کہیں قرآں
تو "ب" کے نقطے کا نکتہ سمجھ گیا ہوتا

زبانِ نوکِ سناں پر تلاوتِ قرآں
اے کاش قاریِ قرآں کو سُنا ہوتا

بتا کے نقطے بہتّر حسینؑ سمجھا لے
اے کاش تو کہیں نزدیکِ کربلا ہوتا

ترا بھی لاڈلا تشنہ لبا چاند سا نقطہ
اُبھر کے تیرے ہی ہاتھوں پہ مٹ گیا ہوتا

ترے بھی پیاس سے بچے بلک رہے ہوتے
تو پھر تجھے ذرا احساسِ کربلا ہوتا

حسینؑ بن کے تو برچھی نکالتا دل سے
ترا بھی شکلِ پیمبر تڑپ رہا ہوتا

نِکلتا پھر تو ہی عباسؑ کا علم لے کر
تیرے بھی بھائی کا بازو کوئی کٹا ہوتا

تری بھی فوج کے پیر و جوان کٹ جاتے
تو ظالموں میں اکیلا گھرا ہوا ہوتا

تری سکینہؑ کے دُر کان سے چھنتے ہوتے
پکڑ کے شمرِ لعیں طمانچے لگا رہا ہوتا

تری یتیم سکینہؑ بلک رہی ہوتی
اُدھر کہیں ترا لاشہ تڑپ رہا ہوتا

ترے حرم کے سروں سے ردائیں چھن جاتیں
وطن سے دور بھرا گھر ترا لُٹا ہوتا

تری بھی بیبیاں بازارِ شام میں جاتیں
تری بہن کا بھی بلوے میں سر کھلا ہوتا

تماشہ دیکھنے اُن کا بھی خاص و عام آتے
بندھی وہ ہوتیں رسن میں گلا گھٹا ہوتا

ترے بھی سر میں بہتّر کی خاک پڑ جاتی
اسیر ہو کے تو دربار میں کھڑا ہوتا

علیؑ کی شان ہے، کیا اُس کا خاندان ہے کیا
اُجڑتا اُن کی طرح پھر تجھے پتا ہوتا

اگر حسینؑ کی اُلفت کا دعویٰ دار ہے تو
تو ہاتھ سینے پہ کاندھے پہ تعزیہ ہوتا

اگر تو صاحبِ دل، صاحبِ نظر ہوتا
تو میرے ساتھ یہاں آج رو رہا ہوتا

خدا کے واسطے انصاف کر تو ہی اے شیخ
نبیؐ کی آل اور دربارِ اشقیا ہوتا

علیؑ کی بیٹیاں اُن کو اگر عزیز نہ تھیں
نبیؐ کی بیٹی کا حق تو اُسے دیا ہوتا

حسنؑ حسینؑ سے اُن کو اگر عداوت تھی
تو پھر امامؑ کو تو زہر نہ دیا ہوتا

کہاں کہاں سے میں تاریخ کے ورق اُلٹوں
کہ ہر ورق ہے لہو میں بھرا ہوا ہوتا

سجدہ

فتوے نہ لگائیں کہ زباں کھول رہا ہوں — یہ دیکھیں کہ دیوانہ ہوں کیا بول رہا ہوں

مجھ رند کی مُلّا کی عداوت ہے پُرانی — جھگڑوں ہی میں گزری ہے، مری اسکی جوانی

گو مُلّا مشرّع ہے جو پوچھو تو مُتبرّا — ظاہر میں تولّا ہے بہ باطن ہے تبرّا

وہ کہتا ہے بخشش کا ہیں اعمال وسیلہ — اور میرا عقیدہ ہے کہ ہے آلؑ وسیلہ

کہتا ہے جزاؤں کا سزاوار ہے سجدہ — میں کہتا ہوں لالچ ہے تو بے کار ہے سجدہ

ہم دونوں ہی عاشق ہیں یہ محبوب جدا ہیں — سجدے بھی جدا، طالب و مطلوب جدا ہیں

مُلّا کا عقیدہ ہے الگ، میرا الگ ہے — اس شخص کا سجدہ ہے الگ، میرا الگ ہے

میں ساقیٔ کوثر کو بھی کر لیتا ہوں سجدہ — اور چوکھٹ زہراؑ پہ بھی کر لیتا ہوں سجدہ

اس در پہ تو جبریل کو جھکتے ہوئے دیکھا — اس در پہ محمدؐ کو بھی رُکتے ہوئے دیکھا

تعظیم کو بیٹی کے بھی اُٹھتے ہوئے دیکھا — بچوں کے لیے اونٹ بھی بنتے ہوئے دیکھا

اس در پہ ستاروں کو اُترتے ہوئے دیکھا — قرآن کے پاروں کو اُترتے ہوئے دیکھا

اس در سے ہی معراج کو جاتے ہوئے دیکھا — اس در پہ ہی معراج سے آتے ہوئے دیکھا

اس در سے ہی کعبہ کی بھی توقیر بنی ہے — اس در سے ہی اسلام کی تصویر بنی ہے

یہ گھر جو نہ ہوتا تو یہ کعبہ بھی نہ ہوتا — یہ سر جو نہ ہوتا تو یہ سجدہ بھی نہ ہوتا

کعبے سے ہٹائے ہوئے بُت پوجنے والو! — بغلوں میں دبائے ہوئے بُت پوجنے والو!

یہ کیا کہ محبّت تو کروں پیارے نبیؐ سے — اور رکھوں عداوت میں حسینؑ ابن علیؑ سے

یہ کیا ہے کہ دم احمدؐ مرسل کا بھروں میں — جب قتل نواسہ ہو تو ماتم نہ کروں میں

یہ کیا کہ محمدؐ کی لُٹے آل میں دیکھوں ۔ اور لُوٹنے والوں پہ میں لعنت بھی نہ بھیجوں
یہ کیا کہ محمدؐ کو دل و جان کہوں میں ۔ وُہ حکم اگر دیں اسے ہذیان کہوں میں
یہ کیا ہے کہ کلمہ تو محمدؐ کا پڑھوں میں ۔ اور ان کے جنازے میں بھی شرکت نہ کروں میں
یہ کیا ہے کہ اس در سے ہی اعزاز میں پاؤں ۔ اور بعد میں اس گھر کو ہی میں آگ لگاؤں
یہ کیا کہ حرم خود کو محمدؐ کا بتاؤں ۔ تیر اس کے نواسے کے جنازے پہ چلاؤں
یہ کیا ہے کہ منبر پہ محمدؐ کے جب آؤں ۔ تو اس کی ہی بیٹی کو عدالت میں بلاؤں
یہ کیسی محبت ہے تو یہ کیسے ہیں دعوے ۔ یہ کیسی نمازیں ہیں تو یہ کیسے ہیں سجدے
میں کچھ بھی ہوں احسان فراموش نہیں ہوں ۔ عاصی ہوں پہ غاصب یا ہوس کوش نہیں ہوں
وہ بھول گیا پڑھ کے بھی فرمانِ محمدؐ ۔ میں بھولنے والا نہیں احسانِ محمدؐ
مُلّا مجھے کہتا ہے کہ قرآن ہے کافی ۔ بخشش کیلئے سجدۂ رحمان ہے کافی
میں کہتا ہوں سجدہ کیلئے آلؑ ضروری ۔ جبتک نہ وہ شامل ہوں عبادت ہے ادھوری
آؤ تمہیں اک سجدہ کی تصویر دکھاؤں ۔ آؤ تمہیں میں آلؑ کی توقیر بتاؤں
وہ سجدہ جو کعبہ کو بھی سجدے میں جھکادے ۔ وہ سجدہ جو مسجد کو بھی معراج بنادے
وہ مُلّا و قاضی کا بھلایا ہوا سجدہ ۔ سُنّت کی کتابوں میں دبایا ہوا سجدہ
اس سجدے کی میں کھوج میں پر تول رہا ہوں ۔ تیرہ سو برس بعد ورق کھول رہا ہوں
سجدے میں نبیؐ پُشت پہ اسوار ہے بچّہ ۔ یہ کون ہے کس کا دُرِ شہسوار ہے بچّہ
دیکھو یہ عبادت میں خلل ڈال رہا ہے ۔ سجدہ میں نبوّت کے خلل ڈال رہا ہے
احمدؐ کی امامت میں خلل ڈال رہا ہے ۔ اللہ کی قربت میں خلل ڈال رہا ہے
پہچان لیا یہ تو حسینؑ ابن علیؑ ہے ۔ ہاں جان لیا یہ تو نواسۂ نبیؐ ہے
کس شان سے بیٹھا ہے نبوّت کو جھکاکے ۔ جرأت نہیں نانا کی کہ سر اپنا ہلائے
سرکار نبیؐ سجدے میں ہیں ہل نہیں سکتے ۔ اک بچے کے وہ قبضے میں ہیں ہل نہیں سکتے

یوں بیٹھا ہے سجدے کا رکن بیٹھا ہو جیسے
احمدؐ پہ محمدؐ کا بدن بیٹھا ہو جیسے

اللہ کی عبادت میں مگن بیٹھا ہو جیسے
جب چاہے اُٹھے، شاہِ زمن بیٹھا ہو جیسے

جوں تختِ سلیماں پہ سلیمانؑ ہو بیٹھا
یا بانیٔ ایمان پہ ایمان ہو بیٹھا

یا صاحبِ قرآن پہ قرآن ہو بیٹھا
یا ختمِ نبوّت کا نگہبان ہو بیٹھا

کیا شان ہے کہ سارے پیمبر بھی جھکے ہیں
بوذرؓ بھی ہیں سلمانؓ بھی قنبرؓ بھی جھکے ہیں

اوّل بھی ہیں دوم بھی ہیں سوم بھی سبھی ہیں
وہ لوگ بھی شامل ہیں منافق جو کبھی ہیں

کاندھے پہ کبھی باپ کبھی پُشت پہ بیٹا
ہم نے تو نبوّت پہ امامت کو ہی دیکھا

جائے کوئی قاضی کو یا مُلّا کو پکارے
کہنا کہ ذرا پُشت سے بچے کو اُتارے

مُلّا سے کہو! آکے وہ قرآن کو کھولے
قاضی سے کہو! آکے وہ اس سجدے کو تولے

دیکھے، کہ یہ باطل ہے کہ جائز ہے یہ سجدہ
تولے، کہ رہِ حق میں بھی فائز ہے یہ سجدہ

کیا حکمِ خداوند کی یہ تعمیل ہے سجدہ؟
منشائے مشیت کی یہ تکمیل ہے سجدہ؟

کیا ٹھیک ہے اس طرح عبادت کا طریقہ؟
کیا ٹھیک ہے احمدؐ کی امامت کا طریقہ؟

اُلفت میں اگر میں نے کہیں سجدہ کیا ہے
تو سُنّتِ نبویؐ پہ عمل میں نے کیا ہے

مُلّا نے کہا ٹھہرئیے نکتہ ہے فقہ کا
ارشاد فلاں کا ہے، فلاں نے یہ کہا ہے

سجدہ بھی اگر ان کو کیا جائے تو باطل
مشکل میں اگر نام لیا جائے تو باطل

تسبیح میں شامل جو کیا جائے تو باطل
سائل کو عبادت میں دیا جائے تو باطل

اے نفسِ پیمبرؐ کا رکوع تولنے والو!
انگشتری دینے پہ زباں کھولنے والو!

اے مذہبِ احمدؐ کے علمدار نقیبو!
اے مشرق و مغرب کے مسلمان خطیبو!

اس سجدۂ احمدؐ پہ قلم اپنے اُٹھاؤ
سجدہ یہ صحیح ہے کہ غلط ہم کو بتاؤ

اس در کی ہے جاروب کشی میرا مقدّر
تو کرتا ہے تنقید، یہ ہے تیرا مقدّر

جنابِ سیّدہؑ کا فیصلہ

فرزندانِ رسولؐ کی خطّاطی کا مقابلہ

روایت ہے کہ مشقِ خوش خطی حسنینؑ کرتے تھے
بہم یہ گفتگو زہراؑ کے نورالعین کرتے تھے

حسنؑ کہتے تھے دیکھیں کون اچھا آج لکھتا ہے
کہیں نانا جسے اچھّا وہی لکھنے میں اچھا ہے

حسینؑ ابنِ علیؑ کہنے لگے منظور ہے بھائی
ہوئے مشغول لکھنے میں روایت اس طرح آئی

نبیؐ کی خدمتِ اقدس میں لے کر تختیاں آئے
نگاہیں منتظر تھیں کیا رسولؐ اللہ فرمائے

شہِ ابرار نے جب تختیاں دیکھیں تو فرمایا
مِرے بچّو تمہارا خط مجھے بے حد پسند آیا

کسے اچھّا کہوں میں اور کسے کہہ دوں نہیں اچھّا
مِرے نزدیک دونوں کا لکھا ہے بالیقیں اچھا

تمھیں اک مشورہ دیتا ہوں اے علم و ہنر والو
تم اس کا فیصلہ والد سے اپنے جا کے کروالو

علیؑ ابنِ ابی طالبؑ زمانے بھر میں قاضی ہے
محمدؐ اور محمدؐ کا خدا بھی اُس سے راضی ہے

وہ بہتر جانتا ہے فنِ خطّاطی میں ماہر ہے
کوئی بھی چیز اُس کے علم سے ہرگز نہ باہر ہے

وہ جو کچھ فیصلہ دے گا اُسے منظور کر لینا
اور اپنے دامنِ اُمید کو پھولوں سے بھر لینا

غرض حسنینؑ آئے خدمتِ شاہِ ولایتؑ میں
شہنشاہِ سخاوت مخزنِ رُشد و ہدایت میں

نہیں ثانی کوئی جس کا ہوا اب تک شجاعت میں
امامت میں عبادت میں فصاحت میں بلاغت میں

ادب سے بیٹھ کر حضرت کی خدمت میں ہوئے گویا
ہماری خوشخطی کا فیصلہ کیجیے شہِ والا

ہمیں نانا نے بھیجا ہے تمہارے پاس اے بابا
تمہیں سے عدل کی رکھ کر ہیں آئے آس اے بابا

تمہارے فیصلے سے مطمئن ہو جائیں گے دونوں
ہم اپنی اپنی محنت کا صلہ پا جائیں گے دونوں

جنابِ حیدرؑ صفدر نے دونوں کا لکھا دیکھا
تو از راہِ محبت شاہ زادوں سے یہ فرمایا

کمی دونوں کے لکھے میں نہیں کوئی نظر آئی
یہاں تک کہ نظر اوّل سے آخر تک ہے دوڑائی

عجب کھینچی ہیں مدّیں اور دوائر خوب ہیں سارے
نقاط و وصل، دندانے، کشش، مرغوب ہیں سارے

عجب انداز ہیں، اچھے معلّم کے سکھائے ہو
تم اک مکتب سے ہی تعلیم حاصل کر کے آئے ہو

تم اپنے اپنے لکھنے میں بڑے مشّاق ہو دونوں
ہنرمندوں میں بیشک شہرۂ آفاق ہو دونوں

تمہیں یکسانیت حاصل ہے لکھنے میں خردمندو
محمد مصطفےٰ کے لاڈلو، زہراؑ کے فرزندو

تم اپنی تختیاں بنتِ نبیؐ کے پاس لے جاؤ
اور اپنے فنِ خطّاطی کا مستحسن صلہ پاؤ

تمہارا فیصلہ مخدومہ کونین کر دیں گی
تمہارے دامنِ امّید کو پھولوں سے بھر دیں گی

جنابِ فاطمہؑ کے پاس سردارانِ جناں آئے
دکھانے خوشخطی ہمراہ اپنی تختیاں لائے

نبیؐ زادے نبی زادی کی خدمت میں چلے آئے
اور آدابِ مناسب والدہ کے سب بجا لائے

عدالت کیلئے حسنینؑ ماں کے پاس آئے ہیں
دکھانے مشق اپنی تختیاں ہمراہ لائے ہیں

کہا دونوں نے اماں سے ہمارا فیصلہ کیجے
کہ اچھا کون لکھتا ہے ذرا اتنا بتا دیجے

برائے فیصلہ ہم آپؑ کی خدمت میں آئے ہیں
درِ امّید پہ اپنی تمنّا ساتھ لائے ہیں

ہمیں بابا نے فرمایا ہے ماں کے پاس جاؤ تم
صلہ اپنی ہنرمندی کا اُن سے جا کے پاؤ تم

ہمیں شیرِ خدا نے آپکی خدمت میں بھیجا ہے
وصیِ مصطفےٰؐ نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے

فرشتے آپکی چوکھٹ پہ سجدہ ریز ہوتے ہیں
جو تشنہ کام آتے ہیں یہاں لبریز ہوتے ہیں

اسی مقصد سے ہم بھی آپکی خدمت میں آئے ہیں
اور انصاف و مروّت کی تمنّا ساتھ لائے ہیں

نگاہِ ناقدانہ مادرِ مشفق نے دوڑائی
مگر خامی نہ کوئی فضلِ ربّی سے نظر آئی

ہنرمندی پہ شہزادوں کی خوش ہو کے یہ فرمایا
کہ اسلوبِ نگارش مجھ کو دونوں کا پسند آیا

بہر پہلو، بہر صورت بھلا معلوم ہوتا ہے
مجھے دونوں کا لکھا ایک سا معلوم ہوتا ہے

تمہاری خوش خطی آئینۂ فنِ کتابت ہے
تمہارا ہر سخن گنجینۂ بحرِ فصاحت ہے

تمہارے نقش نقاشِ ازل سے ملتے جلتے ہیں
تمہارے گھر سے دانش کے ہزاروں باب کھلتے ہیں

تمہاری ہر ادا اُس خالقِ اکبر کو بھاتی ہے
اجابت از درِ حق بہرِ استقبال آتی ہے

نہیں ثانی تمہارا آج تک کوئی ہُوا پیدا
کہ محبوبِ خدائے پاک بھی تم پر ہوئے شیدا

بہر عنوان تم اک دوسرے کے بالمقابل ہو
اور اپنے فنِ خطاطی میں بھی اُستادِ کامل ہو

بدرگاہِ خداوندی بڑے مقبول ہو دونوں
گلستانِ رسالتؐ کے مہکتے پھول ہو دونوں

جوانانِ جناں کے سیّد و سردار ہو دونوں
محمد مصطفیٰؐ کے دین کے مختار ہو دونوں

محمدؐ کے نواسے ہو، علیؑ کے ماہ پارے ہو
سکونِ راحتِ دل ہو مری آنکھوں کے تارے ہو

ہوئے راضی نبیؐ اُس سے کہ جس سے تم ہوئے راضی
خدا بھی اُس سے راضی ہے نبیؐ جس سے ہوئے راضی

تمہیں ناراض جو کر دے وہ ناجی ہو نہیں سکتا
جہاں میں اس سے بڑھ کر کوئی پاجی ہو نہیں سکتا

گلے میں ہار تھا اس وقت اک بنتِ پیمبرؐ کے
تھے جس میں سات موتی، جو نہایت بیش قیمت تھے

جنابِ فاطمہؑ نے سوچ کر بچوں سے فرمایا
تمہارے فیصلے کا حل مجھے آساں نظر آیا

جگر بندو! تمہیں اس فیصلے سے باخبر کر دوں
میں اپنے ہار کے موتی زمیں پر منتشر کر دوں

کہ اپنی خوش خطی کا آپ ہی تم فیصلہ کر لو
بقدرِ ہمتِ عالی گُہر سے جھولیاں بھر لو

یہ فرما کر بکھیرے سیدہ نے ہار کے دانے
بہم معصومیت سے یوں لگے حسنینؑ فرمانے

یہ ساتوں بیش قیمت شہرۂ آفاق دانے ہیں
برابر ہو نہیں سکتے یہ ہرگز طاق دانے ہیں

وہی لاریب اپنا گوہرِ مقصود پالے گا
جو بڑھ کر آج دانے چار موتی کے اُٹھالے گا

جھکے سبطین فوراً اپنی قسمت آزمانے کو
مثالِ شیر بیشہ ہار کے موتی اٹھانے کو

خدا کا حکم لے کر حضرتِ روح الامیں آئے
کہیں زہراؑ کے پھولوں کی دل آزاری نہ ہو جائے

بجز اس کے حقیقت میں نہیں تھا اور کچھ چارا
کیا پَر مار کر یک گوہرِ نایاب دو پارا

زمیں سے چن کے موتی جب لگے حسنینؑ دکھلانے
تو دیکھا ماں تھیں ہر اک کے ساڑھے تین تھے دانے
فلک پر قدسیوں کی بزم میں جب یہ خبر پہنچی
بجا لائے خدا کا شکر اور اپنی جبیں پوچھی
فرشتے آئے بہر تہنیت زہراؑ کی خدمت میں
دعائیں دے کے یوں کہنے لگے شانِ امامت میں
مبارک فتح شہزادوں کی اے سلطانۂ عالم
یہ دونوں چشم قدرت میں نہیں اک دوسرے سے کم
یہ دونوں وارثِ علم رسالتؐ ہیں زمانے میں
مثالِ طور سینا ہیں خدا کے کارخانے میں
خدایا واسطہ ان پاک شہزادوں کی عصمت کا
بدل دے اپنی رحمت سے نوشتہ میری قسمت کا

جناب سرکار سید الشہداؑ نے میدانِ کربلا میں تپتی ریت پر اپنے اعزا و اقربا مخدرات عصمت و طہارت اور اپنے اصحابِ باوفا کی معیت میں اہالیان سقیفہ کے بوئے ہوئے باطل بیج کو جس کی پرورش معاویہؒ نے پر کمال طریقہ سے کی اور جو یزید ملعون کی شکل میں مکمل باطل بن کر منشائے حق کو مٹانے کے لیے اپنی کثیر افواج کے ساتھ ارضِ نینوا پر لشکر انداز ہوا اس طرح کی شکست فاش دی کہ باطل ہمیشہ کے لیے دب کر رہ گیا اور اہالیان سقیفہ تا ابد لعنت کے مستحق ہو گئے اور جناب سرکار سید الشہداؑ نے اس پلید مشن کو اس طرح نیست و نابود کیا کہ پھر کبھی کسی کو تا قیامت اس طرح سر اٹھانے کی جرأت نہ ہو گی۔ منشائے حق کے پیامبر جناب محمد مصطفیٰؐ کچھ اس طرح احسان مند ہوئے کہ اظہارِ تشکر کے لیے اپنے آپ کو محسنؑ کی ذاتِ اقدس میں ضم کرنا باعثِ فخر سمجھا اور اپنی پاک زبان سے (جو خالق کی مرضی کے بغیر نطق نہیں فرماتی) ارشاد فرمایا کہ "میں حسینؑ سے ہوں"۔ سبحان اللہ عظمتِ حسینی گویا خود خالق بھی ممنونِ احسان ہو گیا۔

جگر گوشۂ بتول سلام اللہ علیہا نے اس عظیم کام کے لیے قربانیاں بھی بہت بڑی بڑی دیں اور ایسے مصائب و شدائد کا سامنا کیا کہ انسانی بس کی بات نہ تھی۔ امام پاک سرکارؑ نے منشائے حق کو دوام بھی بخشا اور خاکی مخلوق کو یہ حتمی فیصلہ بھی دے دیا

کہ ہماری نوع اور ہے جس کا ادراک اربعہ عناصر سے مرکب انسان سے ناممکن ہے سیاسی امیروں اور پیشہ ور ملاؤں کے بس کا یہ کام نہیں

مقامِ "عشق" ترے قدسیوں کے بس کا نہیں
انھیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں دراز

ہم عزاداران حسینؑ جناب سرکار سید الشہداؑ کی خدمتِ اقدس میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے مجالس عزا اور ماتم داری کا اہتمام کرتے ہیں اور مادرِ حسنینِ سلام اللہ علیہا سے شفاعت کے لیے ملتجی ہوتے ہیں اور بالیقین اس کو افضل ترین عبادت سمجھتے ہیں۔

عزادارانِ حسینی کے لیے مقام غور وفکر ہے کہ صامتِ قرآن کی تلاوت اور مس کے لیے تو ہم طہارت اور وضو کو لازمی قرار دیں مگر قرآنِ ناطق اور پارہ ہائے قرآنِ ناطق کی تلاوت کے لیے ضروری آداب اور قواعد کا احترام نہ کرتے ہوئے اپنی اس افضل ترین عبادت کی اہمیت وفضلیت کو کم کریں

اخترؔ غمِ حسینؑ میں سوداگری نہ کر
صلۂ غمِ حسینؑ میں جنت نہ کر قبول

ایام عزا میں فاخرہ لباس پہننا، خوشبو لگانا، اپنی ذات کے لیے اچھے کھانے دانے کا اہتمام کرنا ممنوع ہے اور سر میں خاک ڈالنا سنتِ رسول ہے۔ لہٰذا ماتم دارانِ امام حسین علیہ السلام سے پُرزور اپیل ہے کہ وہ اپنے اعمال کو صالح بنائیں اور وارثِ صفِ ماتم جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی خوشنودی حاصل کریں۔ سر میں خاک ڈالنا ننگے پاؤں چلنا۔ گریباں کا چاک ہونا صفِ ماتم میں باطہارت ہونا امرِ معصومؑ بلکہ سنتِ رسولؐ ہے۔

علّتِ غائی

علیؑ کے لال اے دینِ خُدا کی علّتِ غائی
تیرے اقدام سے باطل کے رُخ پر مُردنی چھائی

جہاد اِس شان سے تُو نے کیا حق کی حمایت میں
خدا والے ہیں اب تک تیری نصُرت کے تمنّائی

ترے عبّاسؑ کے ہاتھوں پہ قرباں ہے یدِ بیضا
کہاں مُوسیٰؑ نے کوہِ طور پر یہ شان دکھلائی

تری توصیف کیسے ہو، ہے ناممکن، ہے ناممکن
خدا کا راز داں ایسا خدائی جس کے ہاتھ آئی

محسنِ توحید

اے آلِ نبیؐ ابنِ علیؑ حضرتِ شبیرؑ
ہستی ہے تری آیۂ تطہیر کی تفسیر

گفتار ہے یا خلقِ محمدؐ کا نمونہ
کردار ہے یا خوابِ براہیمؑ کی تعبیر

شمشیر کے سایہ میں کبھی ہوتی نہ جنّت
جو آتا نہ تیرا سرِ زیرِ دمِ شمشیر

شمشیر کی اصلاح کو نازل ہوا قرآں
قرآں کی حفاظت کے لیئے اتری ہے شمشیر

اِک مردِ مجاہد نے کیا مجھ پہ یہ اظہر
بے سود ہے خلوت میں ترا نعرۂ تکبیر

دو منظریوں کا نام ہے شبیرؑ اور یزیدؔ
کرب و بلا کی جنگ میں لڑتے رہے اصول

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11, M.I. Heights, Mirza Kaleej Baig Road, Soldier Bazar, Karachi.
MASOOMEEN WELFARE TRUST (R)

نہیں ہوتی گنہگاروں پہ رحمت، ہو بھی سکتی ہے
محبّت ہو علیؑ سے تو شفاعت ہو بھی سکتی ہے

ہے ارشادِ نبیؐ ذکرِ علیؑ عین عبادت ہے
نہ ہو حبِّ علیؑ، باطل عبادت، ہو بھی سکتی ہے

نہیں ہوں عابد و زاہد مگر دیوانۂ مولاؑ
علیؑ کے ذکر سے میری طہارت، ہو بھی سکتی ہے

میری منزل تو ہے دیوانگی کی حد سے بھی آ۔گے
یہی منزل نصیری کی علامت، ہو بھی سکتی ہے

خداوندا مرا مولا نصیری کا خُدا کیوں ہے؟
ندا آئی کہ یہ میری مشیت، ہو بھی سکتی ہے

بشر میں کب یہ طاقت ہے کہ وہ سورج کو لوٹائے
مگر آقا علیؑ حیدر میں طاقت، ہو بھی سکتی ہے

علیؑ کا نام لے کر مشکلوں میں، پھر نہیں لیتا
یہ عادت تیری دوزخ کی علامت، ہو بھی سکتی ہے

نہیں کرتے کسی پر ہم تبرّا، ہم نہیں کرتے
جو دشمن ہوں علیؑ کے ان پہ لعنت، ہو بھی سکتی ہے

نبیؐ کو چھوڑ کر بھاگیں ہے ناممکن، ہے ناممکن
ہے ممکن، یہ پرانی ان کی عادت، ہو بھی سکتی ہے

نبیؐ تنہا صدا دیتے رہے، مفرور نہ لوٹے
نبیؐ سے ان کو درپردہ عداوت ہو بھی سکتی ہے

نبیؐ کے منہ چھپاتے ہی کھلے عقدے محبّت کے
نہ تھی امید، امّت بے مروت ہو بھی سکتی ہے

تصوّر میں نہیں آتا کچہری ختم ہونے تک
کچہری میں کھڑی خاتونِ جنّت ہو بھی سکتی ہے

برہنہ سر پھرے گی عترتِ احمدؐ خبر کیا تھی
صدا آلِ محمّدؐ کی یہ حالت ہو بھی سکتی ہے؟

ACC No. 18093 Date 20/3/11
Section مناظرہ Status
D.D. Class
NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Masoomeen Welfare Trust (R)
Shop No. 11, M.L. Heights,
Mirza Kaleej Baig Road,
Soldier Bazar, Karachi-74400, Pakistan.
NAJAFI BOOK LIBRARY

البارئ

میں یہ نہیں کہتا کہ پیمبرؐ تھے علیؑ
پر احمدِ مرسلؐ کے برادر تھے علیؑ

معراج کی شب کھل گئے عقدے سارے
باہر تھے نبیؐ پردے کے اندر تھے علیؑ

دُعا
برائے مومنین

اے ربّ جہاں پنجتنؑ پاک کا صدقہ
اس قوم کے دامن کو غمِ شبیرؑ سے بھر دے

بچّوں کو عطا کر علی اصغرؑ کا تبسّم
بوڑھوں کو حبیب ابنِ مظاہر کی نظر دے

کم سن کو ملے ولولۂ عونؑ و محمدؑ
ہر ایک جواں کو علی اکبرؑ کا جگر دے

ماؤں کو عطا کر ثانیِ زہراؑ کا سلیقہ
بہنوں کو سکینہؑ کی دعاؤں کا اثر دے

جو پردۂ زینبؑ کی عزادار ہیں مولا!
محفوظ رہیں ایسی خواتین کے پردے

مولا تجھے زینبؑ کی اسیری کی قسم ہے
بے جرم اسیروں کو رہائی کی خبر دے

جو دین کے کام آئے وہ اولاد عطا کر
جو مجلس شبیرؑ کی خاطر ہو وہ گھر دے

مفلس پہ زر و لعل و جواہر کی ہو بارش
مقروض کا ہر قرض ادا غیب سے کر دے

غم کوئی نہ دے ہم کو سوائے غمِ شبیرؑ
شبیرؑ کا غم بانٹ رہا ہے تو ادھر دے

No. 18093 Date 20/3/11
Section مناظرہ
D.D. Class.......Status........
NAJAFI BOOK LIBRARY

اِدارہ حِزبُ الطالبین

۱۵-ایف، بلاک-۲-پی-ای-سی-ایچ-ایس
کراچی-۲۹ (پاکستان)
فون: ۴۳۱۷۶۷۴

مطبوعاتِ حزب الطالبین

مصنف آدیم نقوی (مرحوم)
تصنیف (۱) "جاہلیت کی موت"
(۲) "جہاد فی اللہ"
(۳) "ہل مِن ناصِر"
(۴) "خونِ ناحق"
(۵) "مجالس الصادقین"
(۶) "راہِ اِرم"
(۷) "مشعلِ نور"

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Masoomeen Welfare Trust (R)
Shop No. 11, M.L. Heights,
Mirza Kaleej Baig Road,
Soldier Bazar, Karachi-74400, Pakistan.

سندھ آفسٹ پرنٹرز کراچی